بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصول

تخریج و تحقیق

(حصہ اول)

تالیف

ابن بشیر الحسینوی الاثری

رئیس:

موسسة الحسینوی الخیریة

ناشر:

(مؤسّسة الحسینوی الخیریّة)

حسین خانوالا ہٹھاڑ قصور، پاکستان

خوبصورت،معیاری اور انقلابی کتب کی نشرواشاعت میں جہد مسلسل

اشاعت اول:فروری،۲۰۱۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نوٹ:

(جو بھائی یا جماعت ادارے کی کوئی کتاب شایع کرنا چاہے وہ ادارے سے رابطہ کرے۔

اگر ادارے کی فکر سے آپ کو اتفاق ہے اور آپ کو پسند ہے تو اس کو عام کریں،اور ہر لحاظ سے ہماری تحریک کا حصہ بن جائیں)

ناشر:

(مؤسّسة الحسینوی الخیریّة)

حسین خانوالا ہٹھاڑ قصور،پاکستان

اکاؤنٹ:muhammad ibrahim,10667900380103,hbl ,kasur

0092.302.4056187

سکائیپ: ibrahim.alhusainwy

فیس بک: ibnebashir alhusainwyi

ای میل: ialhusainwy@gmail.com

ویب:altahqeeqat.blogspot.com

خطة البحث

یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے۔

مقدمہ:اس میں تخریج وتحقیق کی اہمیت وافادیت پر بحث ہوگی۔

پہلا باب:اصول تخریج۔

دوسرا باب:اصول تحقیق

تیسرا باب:ائمہ اور کتب جرح وتعدیل۔

ہر باب کے تحت مختلف بحوث ذکر کی جائیں گی۔(ان شاءاللہ)

مقدمہ :

دینی تعلیم میں بے شمار فنون پڑھائے جاتے ہیں سب سے اہم ترین قرآن وحدیث ہے،تخریج وتحقیق کا تعلق حدیث رسول ﷺ سے ہے ہمیں ہروقت حدیث بیان کرنے اور پڑھنے کی ضرورت پڑھتی ہے اگر ہم فن تخریج وتحقیق سے نا آشنا ہوں گے تو کبھی بھی کسی ضعیف یا موضوع روایت کو بیان نہیں کریں گے کیونکہ غلط چیز کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے جس کی وجہ سے جھنم میں داخلہ واجب ہوجاتا ہے۔

اور وہ اہل علم جو فن تخریج وتحقیق سے نا آشنا ہیں وہ بغیر سوچے سمجھے بہت زیادہ غیر ثابت اور سنی سنائی باتوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بلا جھجک منسوب کردیتے ہیں۔اور وہ انھیں غیر ثابت روایات پر شرعی مسائل کی بنیاد رکھتے ہیں!فانا للہ وانا الیہ راجعون،بعض پیشہ ور خطیب اور اہل علم جب غیر ثابت روایات بغیر خوف کے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر انھیں تنبیہ کی جائے تو آگے بے جا بڑے زور سے باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں۔۔۔اور مختلف بے بنیاد تاویلوں سے سہارا لیتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم کون سے شیخ الحدیث ہیں اگر صحیح احادیث ہی سننی تھی تو میری بجائے کسی شیخ الحدیث کو بلا لیتے!!!اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کون سی کتب ہیں کہ جن سے ہم تیار کرکے بیان کریں!!!حالانکہ یہ سب باتیں درست نہیں ہیں،خطیب ہو یا مدرس یا کوئی عامی آدمی اسے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بغیر تحقیق کے کوئی بات آگے بیان نہ کرے،اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق اس حدیث کی تحقیق کرے اگر خود نہیں کرسکتا تو کسی اہل علم سے رابطہ کرلے اور پوچھ لے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے یا صحیح؟اس سے کتنا فائدہ ہوگا،خود بھی فائدہ اور سامعین کو بھی فائدہ ہوگا اور غیر ثابت بات کو ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے بچ جائیں گے۔ان شاءاللہ۔

بے شمار مدرسین، خطبا اور عامی لوگ راقم الحروف کے مسلسل رابطے میں ہیں جب بھی انھیں کسی چیز میں شک ہوتا ہے یا تحقیق نہیں ہوتی تو وہ راقم سے رابتا کرتے ہیں اور راقم اس حدیث کی تحقیق کر کے اس کا حکم بتا دیتا ہے۔۔۔اور میری ناقص رائے میں یہ کام تو ہر کوئی کر سکتا ہے آج کل موبائل کی سہولت عام ہے، اس کے ذریعے ایس ایم ایس کے ذریعے بھی کسی حدیث کی تحقیق کسی اہل علم پوچھی جا سکتی ہے۔

اور جو لوگ مطالعہ کے عادی نہیں ہیں بس سنی سنائی باتیں بیان کر دیتے ہیں بلکہ ان کے پاس قرآن وحدیث کا بنیادی علم بھی نہیں ہوتا ان سے اچھے اور نرم لہجے میں بات کرنی چاہیئے کہ وہ مطالعہ کے عادی بنیں، اس کا آسان سا طریقہ ہے کہ جو وہ حدیث بیان کریں ان سے اس کا حوالہ پوچھا جائے اگر وہ بیان کر دیں تو اس کا حکم پوچھا جائے کہ صحیح ہے یا ضعیف اس طرح شاید وہ مطالعہ اور تحقیق کا عادی بن جائے ۔لیکن افسوس کہ اس طرح کا ماحول دور دور تک دیکھنے کو نہیں ملتا، اور آج کل لوگوں کا ذہن علمی چیزیں سننے کی بجائے قصوں، کہانیوں پر زیادہ لگا دیا گیا، اس ماحول کو حکمت عملی سے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔اس پر مل جل کر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

یاد رہے دین قرآن اور صحیح حدیث کا نام ہے اور صحیح حدیث کی چار قسمیں ہیں صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔ہم اس موقع پر ایک نصیحت کرنا چاہتے ہیں کہ دین کو ذریعہ معاش بنانے کی غرض سے منبر ومحراب کا وارث بننے کی کوشش کرنے والے احباب! منبر ومحراب پر جلوہ نشین ہونے سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ مجھے فن قرآن وحدیث کا علم سے کوئی مس بھی ہے کہ نہیں!؟؟

عربی زبان میں جرح وتعدیل کے ضوابط پر بعض کتب متداول ہیں فجزاہم اللہ خیرا، اردو زبان میں اس پر کوئی قابل قدر کتاب نہیں تھی۔میرے فاضل دوست فضیلۃ الشیخ نعمان فاروقی حفظہ اللہ مدیر مسلم پبلی کیشنز لاہور نے توجہ دلائی کہ اس موضوع پر جامع مانع اور مختصر کتاب لکھیں تاکہ طلبا علوم نبوت اور اہل علم کے لئے فائدہ مند ہو اور نصابی کتاب کی مثل ہو، اس پر راقم نے کچھ اہم اصولوں کو لکھا ہے تاکہ فن تخریج وتحقیق کے اصولوں کو متعارف کروایا جائے۔

اصول تحقیق میں صرف ان اصولوں کو ذکر کیا جائے گا جو تحقیق میں معاون ثابت ہوں گے، تاکہ تحقیق میں ان اصولوں کو مدنظر رکھا جا سکے، یہ بات ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں کہ اس فصل کو اس لیے شامل کتاب کیا ہے کہ بعض لوگ کسی عالم دین کے پاس چند دن لگا کر تخریج تو سیکھ لیتے ہیں کہ حدیث کو کیسے تلاش کرنا ہے، پھر تخریج کے علم آجانے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو محقق سمجھنا شروع جاتے ہیں!!

حالانکہ ان کو اصول تحقیق سے بے خبری ہوتی ہے، راقم کی کچھ ایسے ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں جن کو عربی زبان پڑھنی بھی نہیں آتی، اس کو سمجھنا تو دور کی بات ہے لیکن انھیں حدیث کو تلاش کرنا آتا ہے اور اس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اتنی تو محنت کی، لیکن یہ کافی نہیں اور اس طرح کے بعض طلبا پر افسوس ہوتا ہے اور وہ اسی بنا پر اپنے آپ کو محقق باور کرواتے ہیں۔یا اسفا۔اور بے جا محدثین واھلہ پر تنقیص وتنقید کرتے پھرتے ہیں، جس طرح تخریج کے لیے ممارست اور لمبا عرصہ کسی محدث ومحقق کے پاس ٹھہرنا ضروری ہے اور تحقیق کے لیے بھی سال ہا سال کی مسلسل محنت اور ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے بعد ہی ممکن ہے اور اسلام کو پختہ محققین کی ضرورت ہے۔

فن تحقیق و تخریج کا ارتقائی جائزہ :

تحقیق کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو، ہر اہل علم قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر وقت گفتگو کرتا ہے، قرآن مجید میں تو جرح وتعدیل لاگو ہی نہیں ہوتے، اس کے برعکس حدیث نبوی بیان کرتے وقت یا پڑھتے وقت غور وفکر ضروری ہے کیونکہ حدیثوں میں بعض لوگوں نے ضعیف اور موضوع ومنکر روایات اپنی طرف سے بنا کر داخل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، صحیح وثابت حدیث مصطفی ﷺ اور ضعیف اور بے بنیاد روایات کے درمیان فرق کرنے کی غرض سے احادیث میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، مثلاً حدیث بیان کرنے سے پہلے دیکھا جائے کہ اس کا حوالہ کیا ہے؟ اگر صحیحین (بخاری ومسلم) کے علاوہ حدیث ہے تو اس کی تحقیق کرنا یا اہل فن تخریج وتحقیق کے ماہر علماء کی طرف رجوع کرنا از حد ضروری ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ حدیث ثابت ہے یہ نہیں۔ پوری جانچ پڑتال کے بعد کسی حدیث کو بیان کرنا اہل علم پر فرض ہے۔

ابتدائی دور میں اس فن کی ضرورت کم تھی، کیونکہ اس وقت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم ہی تھے اور وہ سارے عادل تھے جو بھی بیان کرتے تھے صحیح ہوتا تھا، اور سند کی تحقیق کی ضرورت بھی نہیں تھی جیسے حالات بدلے ویسے ہی تحقیق شروع ہوگئی اس کا ثبوت ہمیں صحابہ اکرامؓ سے بھی ملتا ہے۔ اس کا اندازہ سیدنا ابن عباسؓ کے اس قول سے ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ سے احادیث کو بیان کرتے تھے اور انھیں یاد کرتے تھے جب لوگوں نے غلط سلط بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم بہت احتیاط کرنے لگے (مقدمہ صحیح مسلم: ۴۵۳) اور زمانہ نبوت میں صحابہ کرام بذات خود رسول اللہ ﷺ سے سنتے تھے یا آپ کو دیکھتے تھے یا صحابی کسی صحابی سے سنتا تھا لیکن بعد میں جب تابعین کا دور شروع ہوا اس وقت بعض فتنے بھی رونما ہوئے بعض دین کے دشمن لوگوں نے روایات خود بنانا شروع کر دیں، پھر فن تحقیق کی ضرورت پڑھی، اسی کی طرف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اشارہ فرما رہے ہیں۔

اس فن کی ضروت اس وقت محسوس ہوئی جب محدثین نے بعض کتب حدیث لکھیں تو اس میں مرسل، معلق، معضل اور ضعیف روایات بھی درج کیں، مثلاً موطا امام مالک، مسند شافعی، مسند احمد، سنن ابی داود، وغیرہ تو اس سے اہل علم نے فن تخریج وتحقیق کی بنیادیں ڈالیں مثلاً حافظ ابن عبدالبر نے ''کتاب التمھید فی الموطا من المعانی الاسانید'' امام قضائی نے ''مسند الشھاب'' امام بیہقی نے ''معرفۃ السنن والاثار'' لکھیں یہ دراصل فن تخریج وتحقیق کے متعلق کتب ہیں۔

اس فن میں مستقل اور با قاعدہ طور پر چوتھی اور پانچویں ہجری میں کام شروع ہوا لیکن مستقل اس فن پر کام چھٹی صدی ہجری سے شروع ہوا مثلاً امام ابوا الفضل محمد بن طاہر مقدسی نے ''احادیث الشھاب''، لکھی جس میں انہوں نے قضائی کی احادیث کو مسند بیان کیا .علامہ دیلمی نے اپنے والد کی کتاب ''مسند الفردوس'' کی تخریج اپنی کتاب ''احادیث کتاب الفردوس'' میں کی اور اسے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا۔

پھر بعد میں حافظ ذھبی، حافظ ابن حجر کے دور میں یہ فن عروج پر تھا اور آج تک اس فن میں کام ہو رہا ہے، اس فن میں سینکڑوں ممتاز ترین اہل علم میں سے، حافظ زیلعی، حافظ ابن حجر، شیخ البانی رحمہم اللہ کے نام بھی آتے ہیں۔

راقم کس حد تک اس رسالہ کو لکھنے میں کامیاب ہوا ہے راقم نے اپنی طاقت کے مطابق اہم قواعد کو جمع کر دیا ہے اللہ تعالی اس قیمتی رسالہ سے طلبا علوم نبوت اور اہل علم کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے میرے لئے، اہل وعیال، والدین اور اساتذہ کرام کے لئے صدقہ جاریہ بنائے آمین

خادم دین:

ابن بشیر الحسینوی الاثری

مدرس دارالحدیث راجووال اوکاڑہ

سابق مدرس جامعہ محمد بن اسماعیل البخاری اہل حدیث گندھیاں اوتاڑ قصور

رئیس: موسسۃ الحسینوی الخیریۃ

ialhusainwy@gmail.com 00923024056187

پہلا باب:

اصول تخریج .

تخریج کا لغوی معنی [1]:

لفظ ''تخریج'' خرج، یخرج سے مصدر ہے جس کا معنی نکالنا ظاہر کرنا ہے.

اصطلاحی تعریف :

حدیث کے اصل ماخذ کا بیان، اس کے مختلف طرق پر بحث کرتے ہوئے اس پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا۔ یادرہے کسی حدیث کا صرف اصل ماخذ بیان کردینا

یہ صرف حدیث کی نسبت بتاتا ہے، تخریج نہیں کہلائے گا۔ گویا اس تعریف کی روشنی میں تخریج کے تین رکن ثابت ہوئے، ا: حدیث کا اصل ماخذ تلاش کرنا، ۲: سندوں کو جمع کرکے ان کی اور متن حدیث کی تحقیق کرنا ۳: حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا۔

علم تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف :

شرعی مسئلے کے حل کے لیے جانچ پڑتال کرنا ضروری کہ جس حدیث پر مسئلے کی بنیاد رکھنی ہے وہ ثابت بھی ہے کہ نہیں، کسی حدیث کو بیان کرنے کے لیے حدیث کی سند پر اطلاع پانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے جب سند سامنے ہوگی تب رواۃ پر بحث ہوگی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی محدث یا محقق مطلوبہ حدیث کی تحقیق تک پہنچ سکتا ہے جس حدیث کی بھی تحقیق کرنی ہو اس میں یہی انداز اپنایا جائے گا۔

علم تخریج کا واضع :

اس کا وضع کرنے والا معین شخص نہیں ہے اس پر مختلف ادوار گزرے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے زمانہ نبوی ﷺ میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ صحابہ کرام نے قران وحدیث کو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے لیا اور صحابہ کرام تمام کے تمام ثقہ اور عادل تھے اس وقت تخریج کا وجود ہی نہیں تھا، جب بعد میں کتب احادیث لکھی گئیں تب حدیث کی اصل کتاب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہو گیا اور سند کے وجود سے تخریج کا وجود بھی شروع ہو۔

حکم :

علم تخریج کا سیکھنا فرض کفایہ ہے عام امت مسلمہ پر لیکن فرض عین ہے ہر اس شخص پر جس کا تعلق حدیث، تفسیر فقہ، اصول یا کسی بھی فن سے ہے کیونکہ ہر کوئی محتاج ہے حدیث کی طرف خواہ وہ تھوڑا محتاج ہو یا زیادہ، مثلاً ایک شخص نحوی ہے، اس کو بھی حدیث کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح فقیہ اور مفسر بھی حدیث کا محتاج ہوتا ہے، اور حدیث ایسا فن ہے جس کی طرف ہر اہل علم محتاج ہوتا ہے لہذا ایک نحوی کی بھی

فن تخریج اور جرح وتعدیل میں وسعت نظر ہونی چاہے ورنہ وہ نحو میں جو مثالیں پیش کرے گا تو ان میں ضعیف اور موضوع روایات کو بھی ترویج دے گا۔ فافہم ۔افسوس کہ آج کل فن علم حدیث کی طرف بہت کم توجہ دی جارہی ہے مثلا پاکستان میں صرف چند ہی افراد ہیں جو فن حدیث سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ اکثر اس کے ناواقف ہی ہیں الا سان والخیط ،

تخریج کی اقسام

تخریج کی تین قسمیں ہیں۔

ا: تخریج مفصل:

حدیث کی تمام اسانید،تمام حوالہ جات،تمام توابع اور تمام شواھد اور تمام رواۃ پر سیر حاصل بحث کرنا صحت اور رد کے اعتبار سے حکم لگانا جیسے امام البانی کی کتب الصحیحہ ،الضعیفہ ،ارواء الغلیل اور شیخ ابو اسحاق الحوینی کی کتب مثلا بذل الاحسان وغیرہ کی تخریج فائدہ مند ہے ۔اس سے صحیح تشفی ہوتی ہے۔

۲: تخریج مختصر:

حدیث کی مختصر تخریج کرنا،اس میں چند حوالے لکھے جاتے ہیں اور سند پر مختصر حکم لکھا جاتا ہے یہ طریقہ بھی درست ہے لیکن اس میں نقص کافی ہیں۔۔لیکن بعض دفعہ کافی مجبوریاں سامنے ہوتی ہیں جن کی بنا پر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے،راقم کے نزدیک یہ طریقہ اس وقت بہتر جب مفصل کی تخریج رہنمائی کردی جائے مثلا اخرجہ ابوداود،حدیث صحیح وانظر تفصیلہ فی الارواء۔

۳: قاصر تخریج۔

اس سے مراد تخریج کا وہ طریقہ ہے جس میں اس حدیث پر چند کتب کا حوالہ لکھ دیا جاتا ہے مثلا اخرجہ ابوداود۔اگرچہ فائدہ سے یہ طریقہ بھی خالی نہیں لیکن صحت وضعف کے فرق کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے اصطلاحی اعتبار سے اس کو تخریج کہنا درست نہیں۔

بعض تاجر پیشہ مکتبوں نے آج کل اسی طریقہ کو اختیار کیا ہوا ہے ایسے لوگوں کو صحت وضعف کا اہتمام ماہر فن جروح وتعدیل سے کروانا چاہیئے ،تاکہ حدیث رسول ﷺ کی اہمیت سالم رہے،ورنہ وہ لوگ تخریج کرتے نظر آتے ہیں جن کو علوم حدیث کی ابجد کا بھی علم نہیں بس اللہ تعالی تمام ناشرین کو خدمت حدیث اور محبت حدیث کے جزبہ سے سرشار فرمائے۔آمین۔

تخریج کے فوائد

تخریج کے فوائد بہت زیادہ ہیں کیونکہ سنت کے خزاے کی طرف رسائی اس کے بغیر ممکن نہیں' خوش قسمت ہے وہ اہل علم جو تخریج کو اپنا مشغلہ بنالیتا ہے اس سے وہ دیگر ہم عصر اہل علم پر فائق ہوتا ہے۔اور تھوڑے ہی عرصے بعد وہ محدثین کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔

تخریج اہم ترین فن ہے افسوس کہ اس فن میں اہل علم نہ ہونے کے برابر ہیں اس فن پر توجہ کی ضرورت ہے تاکہ ماہر رجال تخریج وتحقیق کثرت سے پیدا ہوں،

عرب علماء میں تو بہت کام ہورہا ہے لیکن برصغیر پاک وہند میں اس فن میں کام نہ ہونے کے برابر ہے.

اللہ تعالیٰ اس کمی کو پورا فرمائے. آمین۔

تخریج کے مشہور فوائد درج ذیل ہیں۔

۱۔حدیث کے اصل مصدر کی معرفت

۲۔ایک حدیث کی کئی ایک سندوں کا جمع ہونا۔

۳۔سند کی حالت کی معرفت، صحیح اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے۔

۴۔بعض دفعہ ایک سند ضعیف ہوتی ہے لیکن تتبع طرق سے اس کی کوئی صحیح سند مل جاتی ہے۔

۵۔حدیث پر محدیثن کے حکم کی معرفت۔

۶۔رواۃ میں سے مُمہل کی تمیز ہونا، جب ایک سند میں مُمہل راوی ہو مثلاً ''عن محمد'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے

۷۔مُبہم کی تعیین، بسا اوقات سند میں ایک راوی مُبہم ہوتا ہے مثلاً ''عن رجل'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۸۔مدلس راوی کے سماع کی صراحت کا ملنا۔

۹مختلط راوی کے اختلاط کی وضاحت کا ملنا، ایک سند میں مختلط راوی ہے تو کسی دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے کہ فلاں راوی نے اس کے اختلاط سے پہلے سنا ہے یا بعد میں۔ اگر اختلاط سے پہلے سنا ہے تو حدیث صحیح اگر بعد میں سنا ہے تو روایت ضعیف۔

۱۰۔حدیث میں نقص اور زیادتی کی وضاحت.

۱۱:بعض دفعہ جس لفظ کو تلاش کیا جا رہا ہے وہ کئی احادیث میں موجود ہے تو اس حالت میں تمام حوالہ جات کو اصل ماخذوں سے تلاش کیا جائے تب اس اصل مقصود حدیث تک پنچا جا سکتا ہے۔

۱۲: جو شخص اپنا وقت حدیث کو تلاش کرنے اور اس کی تحقیق و تخریج و تشریح میں گزارتا ہے وہ لوگوں میں ممتاز ہو جاتا ہے اور مستقبل میں ''محدث'' امام سے یاد کیا جاتا ہے.

مشہور محقق و محدث فضیلۃ الشیخ عبدالروف بن عبدالحنان بن حکیم اشرف سندھو حفظہ اللہ لکھتے ہیں۔

تخریج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر ابوداود یا دوسری سنن میں ایک حدیث ایسی آجاتی ہے کہ جس کی سند میں کوئی راوی ضعیف ہونے کا حکم دیا جائے تو یہ درست نہ ہوگا. کیونکہ ممکن ہے کہ سنن بیہقی یا مسند احمد وغیرہ میں اس ضعیف یا مدلس راوی کی کسی دوسرے راوی نے متابعت کی ہو، یا اس مدلس نے وہاں تحدیث یا سماع کی صراحت کی ہو. یا ان کتب میں یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہو، یا اس کے شواہد ہوں جن کی بناء پر یہ حدیث صحیح، حسن یا قوی ہو جاتی ہے اسی لیے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کی سند ضعیف ہو تو اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو یا اس کے شواھد ہوں. مگر جب تتبع اور بحث کے ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کی دوسری سند، یا شواھد نہیں ہیں۔ تو پھر اس حدیث پر مطلقاً ضعف کا حکم لگایا جا سکتا ہے

(الباعث الحثیث لاحمد شاکر۔ص:۹۰)

اگر ابوداود یا دوسری سنن میں ایک حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہو تو اس صورت میں بھی اس کی تخریج خالی از فائدہ نہ ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری کتب میں اس حدیث کی دوسری سندیں یا اس کے شواھد ہوں۔ اور اسی صورت میں فائدہ یہ ہوگا کہ اس حدیث کی صحت پر مزید اطمینان ہو جائے گا۔(القول المقبول۔ص:۲۱.۲۰)

کتب تخریج کا ذکر .

کتب تخریج بہت زیادہ ہیں جن سے طالب علم یا محقق مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جب بھی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے تو کتب تخریج کی طرف مراجعت از حد ضروری ہے تاکہ اپنے سے پہلے علماء کی کی ہوئی محنت اور تخریج و تحقیق کو بھی سامنے رکھا جائے اور ان سے بھرپور استفادہ اٹھایا جائے ان کتابوں کے نام درجن ذیل ہیں،

نصب الرایه للزیلعی

الدرایة لابن حجر

التلخیص الحبیر لابن حجر

المغنی عن حمل الاسفار ،للعراقی

مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء للسیوطی

البدرا لمنیر لابن الملقن

ارواء الغلیل للالبانی

سلسلة الاحادیث سلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی

اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام کتب کا موضوع تحقیق وتخریج ہے۔ جو طالب علم اپنے اوپر شیخ کی کتب کا مطالعہ لازم کرلے وہ تخریج و تحقیق میں پختہ ہو جائے گا۔اور تاریخ اسلام میں صرف محدث البانی رحمہ اللہ ہی وہ فرد واحد ہیں جنھوں نے ساری زندگی میں اپنا موضوع بحث تحقیق و تخریج کو بنایا۔ سبحان الله اللهم ادخله الجنة الفردوس ـ

اسی طرح شیخ ابو اسحاق الحوینی حفظہ اللہ کی تمام کتب کو لازم پکڑا جائے۔ان کی تحقیقات بے مثال ہیں۔فجزاہ اللہ خیرا۔

تخریج کے طریقے !

مندرجہ ذیل طریقوں سے تخریج کی جاسکتی ہے

پہلا طریقہ:

حدیث کے کسی لفظ سے تخریج کرنا اس میں متن حدیث کے کسی ایک لفظ کا یاد ہونا ضروری ہے۔

اس طریقے سے تخریج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے حدیث تلاش کی جائے گی۔

(١) المعجم المفهرس لاالفاظ الحدیث النبوی

اس کتاب میں حدیث کی ۹ مشہور کتب کے الفاظ کی فہارس بنائی گی ہیں، موطا امام مالک، مسند احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن الترمزی، سنن ابن ماجہ، اور سنن الدارمی۔

اگر کسی حدیث کا وجود ان نو کتب میں ہے اور اس کا کوئی لفظ یاد ہے تو مذکورہ کتاب: المعجم المفھرس...'' کی مدد سے تخریج ممکن ہے،

۲اگر سنن الدارقطنی میں موجود کسی حدیث کا کوئی لفظ یاد ہے تو اس کو: المعجم المفھرس لالفاظ سنن الدارقطنی لیوسف المرعشلی میں تلاش کیا جا ئے تب سنن الدارقطنی کی حدیث تک پہنچنا ممکن ہے

وہ فوائد جن کا تعلق کسی لفظ کے ساتھ تخریج کرنے سے ہے درج ذیل ہیں۔

پہلا فائدہ:

اس طریقہ تخریج کے لیے مکتبہ شاملہ، مکتبہ ذھبیہ وغیرہ بھی بہت اہم ہیں ان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے لیکن اس میں یہ احتیاط کرنا ضروری ہے کہ مطلوبہ حدیث پہنچنے کے بعد اصل کتاب سے مراجعت ضرور کر لی جائے، صرف مکتبہ شاملہ وغیرہ انحصار کر کے حوالے لکھ دینا درست نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ۔

مذکورہ کتب میں الفاظ کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس طرح لغت سے کوئی لفظ تلاش کیا جاتا ہے بالکل اسی طریقے سے حدیث بھی تلاش کی جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ: المعجم الفھرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ میں مسند احمد کی حدیث کے ساتھ جلد اور صفحہ نمبر لکھا جاتا ہے اور نسخہ میمنیۃ کا حوالہ ہوتا ہے باقی کتب حدیث میں پائی جانے والی حدیث کے ساتھ کتاب کا رمز مثلا خ صحیح بخاری کے لئے پھر اس میں کتاب کا نام مثلا الطہارۃ، پھر باب کا نمبر مثلا ۱۰۔ اکٹھا حوالہ اس طرح ہوگا۔ خ، الطہارۃ: ۱۰، باقی کتب بھی اسی طریقے پر قیاس کر لیں۔

دوسرا طریقہ:

موضوع کے اعتبار سے حدیث کی تخریج کرنا، جس حدیث کی تخریج کرنی ہے اس کے موضوع کا علم ہے مثلا فلاں حدیث جو وضو کے متعلق ہے تو اس حدیث کو وضو کے متعلق احادیث میں تلاش کیا جائے گا، اب وضو کے متعلق حدیث کو کتاب الجہاد میں تو تلاش کرنا درست نہیں، بلکہ کتاب الطھارۃ میں ہی تلاش کرنا ہوگی اس طریقہ سے تلاش کرنے کے لئے فقہی ترتیب سے لکھی گئی کتب میں حدیث تلاش کرنا ہوگی، اس ایک مثال پر باقی کو قیاس کر لیں۔

دوسرا طریقہ:

موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا:

اس حدیث کا تعلق کس موضوع سے ہے، مثلا طہارہ سے ہے تو اس کو کتاب الطھارہ سے تلاش کیا جائے گا وغیرہ

اگر کسی حدیث کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر سے ہے تو اس حدیث کو کتب تفاسیر میں تلاش کرنا گا

مثلاً تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر الثوری، تفسیر عبد الرزاق، تفسیر مجاھد، تفسیر ابن کثیر،

اگر کسی حدیث کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول سے ہے تو اس حدیث کو سبب نزول پر لکھی گئی مستند کتب میں تلاش کیا جائے گا،

مثلاً اسباب النزول للواحدی، العجاب فی اسباب النزول لابن حجر، وغیرہ

اس سے بات واضح ہوگئی کہ موضوعی اعتبار سے کسی طرح حدیث کی تخریج کرنی ہے۔

اگر کسی حدیث کا تعلق غریب الحدیث سے ہے تو اس کی تخریج کتب غریب الحدیث سے ہی کی جائے گی اور کتب غریب الحدیث درج ذیل ہیں، غریب الحدیث لابی عبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث لابی ابراھیم الحربی، غریب الحدیث لابن قتیبہ،، اوران کی دوسری کتاب غلط ابی عبید، غریب الحدیث للخطابی، الغریبین لابی عبید الھروی، المجموع المغیث فی غریب الحدیث لابی موسی المدینی، النھایۃ فی غریب الحدیث لابن الاثیر وغیرہ۔

تیسرا طریقہ:

صحابی کے واسطے سے تخریج، اس طریقے میں مطلوبہ حدیث کے سب سے اوپر والے راوی یعنی صحابی کا علم ہو، مرفوع ہونے کی صورت میں یا تابعی کے نام کا علم ہو، مرسل ہونے کی صورت میں۔

محدثین نے اس طرز پر بھی کتب تصنیف کی ہیں، مثلا جس صحابی کی مروی روایت تلاش کرنی ہے اس صحابی کا نام تلاش کر کے اس میں وہ مطلوبہ حدیث تلاش کی جائے گی یہ طریقہ اس وقت ممکن ہے جب صحابی کے نام کا علم ہو اس طریقہ پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں مثلا کتب الاطراف ،اطراف الصحیحین لابی مسعود الدمشقی،اطراف الکتب الستة لابی الفضل محمد بن طاھر بن احمد المقدسی ،الاشراف علی الاطراف لابن عساکر ،تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف لابی الحجاج المزی ،اتحاف المھرة باطراف العشرة لابن حجر العسقلانی ۔

اس طریقہ کے فوائد:

۱: حدیث کے طرق ایک ہی جگہ جمع ملتے ہیں اس سے حدیث کا متواتر مشہور، عزیز یا غریب ہونا پہچانا جاتا ہے۔ اگر ایک حدیث کو کئی کتب اطراف میں دیکھا جائے تو اس طرح بہت زیادہ طرق پر اطلاع ممکن ہوتی ہے۔

۲: سندوں کا آپس میں موازنہ کرنا آسان ہوجاتا ہے کہ کون کسی کی متابعت کررہا ہے یا فلاں کے کتنے تلامذہ یا شیوخ ہیں۔

۳: حدیث کو کس کس نے نکالا ہے اور وہ کتب حدیث میں کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟

چوتھا طریقہ:

حدیث کے ابتدائی حصے کو مدنظر رکھ کر حدیث کو تلاش کرنا یعنی جن الفاظ سے حدیث شروع ہورہی ہے ان کے ذریعے تخریج کرنا مثلاانما الاعمال بالنیات، حدیث کو تلاش کرنے کے لئے انما الاعمال باالنیات کو مطلوبہ کتب سے تلاش کرنا ہوگا۔

یہ طریقہ اختیار کرنے کے لیے حدیث کے ابتدائی حصے پر اطلاع ہوض روری ہے پھر ابتدائی کے پہلے حرف کو مطلوبہ کتب میں تلاش کرے گا جب وہ مل جائے گا تب اگلے حرف کو پھر اس کے سب والے کو اس طرح اصل مقصود تک انسان پہنچ جاتا ہے

فائدہ:

اس طریقہ سے انسان بڑی جلدی اصل مقصود تک پہنچ جاتا ہے لیکن اس میں یہ نقص بھی ہے کہ شروع حصے میں معمولی سی تبدیلی واقع ہوجائے تب انسان اصل مقصود تک پہنچے میں ناکام رہتا ہے

اس طر یقه پر لکهی گئی کتب .

الجا مع الصغیر من حدیث البشیر النذیر للسیوطی ،الفتح الکبیر فی ضم الزیا د الی لجا مع الصغیر للسیوطی ،الجا مع الا زهرمن حدیث النبیی الا نور للمنا وی ،،تمام کتب فہارس مثلاًفہرس مسنداحمد،فہرس صحیح البخاری وغیرہ

پانچواں طریقہ:

حدیث میں موجود کسی صفت کی بناء پر تخریج کرنا یعنی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے لیکن پہلے چاروں طریقوں سے اس پر اطلاع ممکن نہیں لیکن اس مطلوب حدیث میں

کوئی ایسی صفت ہے جو آپ کو یاد ہے مثلاً وہ حدیث قدسی ہے یا متواتر ہے یا مشہور ہے یا مرسل تو ایسی صورت میں اس صفت پر لکھی گئی کتب میں وہ حدیث تلاش کی جائے گی

فائدہ؛

اس طریقہ کے سے اگر صفت یاد ہے تو بغیر مشقت کے مطلوبہ حدیث تک پنچا جاسکتا ہے۔

اس طریقہ پر لکھی گئی کتب۔

۱)الازھارالمتناثرہ فی الاخباالمتواترۃ لسیوطی۔

۲)المقاصدالحسنۃ للسخاوی(۳)الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیہ للمدنی (۴)المراسیل لابی داود(۵)تنزیہ الشریعۃ المرفو رعۃ عن الاخبارالشنعۃ الموضوعۃ لابن

عراق:

اصول تخریج وتحقیق پر کتب۔

اس فن میں جو کتب لکھی گئی وہ سب حسب ذیل ہیں

(۱) المو جز فی المرا جع الترا جم البدا ن والمصنفا ت و تعریفا ت العلوم للد کتو ر محمود محمد الطنا حیی.

(٢) تحقيق المخطو طا ت بين النظر ية و التطبيق ،للدكتو ر فهمى سعد و الدكتو ر طلا ل مجذو ب ۔

(٣) تحقيق نصو صالمتراث فى القديم و الحديث ،للدكتو ر نو ر الد ين منهج تحقيق المخطو طا ت لا يا د فا طر الطبا ع

(٤) المنها ج فى تا ليف البحو ث و تحقيق المخطو طا ت للد كتو ر فى التو ن جى ،ضبط النص و التعليق عتيه للدكتو ر بشا رعوا د

(٥) قوا ئد تحقيق المخطو طا ت للد كتو ر صلا ح الدين المنجد تحقيق النصو ص و نشر ها للد كتو رعبدالسلا محمد ها رن .(كيف تحقيق مخطو طا ؟ للمبد ئيں .طر ق تخر يج حد يث رسو ل ا الله ﷺ

اصول سند۔

مسند کے متعلق اصول وضوابط درج ذیل ہیں

(۱)سند کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔

جب بھی کوئی حدیث پیش کرے تو اس سے سند کا مطالبہ کرنا ضروری ہے سند دین سے ہے امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں

''الاسناد فی الدین' والا سناد تعالیٰ فی شاء ماشاء'

اسناد دین سے ہیں اگر اسناد نہ ہوتیں تو جو شخص جو کچھ چاہتا کہتا (مقد مه صحيح مسلم ٣٢)

حافظ ابونصر عبیداللہ بن سعید بن حاتم السجز ی فرماتے ہیں: ہر شخص جو سنت کا مدعی ہے، یہ ضروری ہے کہ جو وہ کہتا ہے اس کے با رے میں اس سے سند کا مطالبہ کیا جائے پھر وہ اگر سند پیش کر دے (اور وہ صحیح ہو) تو اس کی سچائی معلوم ہو جاتی ہے اور اس کی بات قبول ہو جاتی ہے

فرق باطلہ کی اکثر بدعات وخرافات کا سر چشمہ ضعیف، موضوع اور بے سند روایات ہوتی ہیں تو وہ ساری کی ساری صحیح سند کا مطالبہ کرنے سے ختم ہو جاتی ہیں۔الحمد للہ۔

(۲)سند کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

جب بھی کوئی سند پیش کرے تو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب تک وہ صحیح ثابت نہ ہو، اگر وہ حدیث محدثین کے اصول کے مطابق صحیح ہے تو اس پر عمل واجب ہے اور اسے ترک کرنا حرام ہے، اور اس سے انکار کرنا کفر ہے

امام ابن حزم فرماتے ہیں: جو شخص نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث معلوم ہو جانے یا نبی کریم ﷺ جو لائے ہیں اس پر محدثین کا اجماع ہونے کے بعد اس کا انکار کرے تو وہ

کافر ہے (المحلی :۱۲/۱ مسئلہ:۲۰)

صحیح سند کی شرائط۔

کسی بھی سند کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں.

پہلی شرط: سند متصل ہو یعنی ہر راوی کا دوسرے سے لقاء اور سماع ہو.

دوسری شرط: تمام راوی عادل ہوں یعنی حقیقی مسلمان ہوں فاسق و فاجر نہ ہوں

تیسری شرط: تمام راوی حفظ و ضبط کے اعتبار سے مضبوط ہوں۔ جب یہ تینوں شرطیں کسی سند میں پائی جائیں گی تب کوئی سند صحیح ہوگی۔

(۴) سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ بات جاننا نہایت ضروری ہے کہ جب ایک سند صحیح ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے اس سند سے دوسری حدیث بھی صحیح ہوگی کیونکہ متن کے صحیح ہونے کے لیے دو الگ شرطیں ہیں۔

پہلی شرط: وہ شاذ نہ ہو (اس کی تفصیل اپنے مقام پر ہوگی)

دوسری شرط: وہ معلول نہ ہو (اس کی تفصیل اپنے مقام پر ہوگی)

اگر سند صحیح ہے لیکن وہ متن شاذ ہے تب وہ متن حدیث کو شاذ ہی کہا جائے گا مثلاً حدیث (واذ قرا فانصتو)

(۵) بعض محدثین سند اور متن دونوں کے صحیح ہونے پر ''سندہ صحیح'' کا اطلاق کر دیتے ہیں، اس طرح بعض میں ضعیف ہونے کی وجہ سے ''سندہ ضعیف'' کہہ دیتے ہیں خواہ اس کا متن صحیح بخاری کا بھی کیوں نہ ہو!

بہتر یہ ہے کہ تحقیق حدیث کے وقت صرف ایک سند کو پیش نظر رکھ کر حکم نہیں لگانا چاہیے، بلکہ پہلے اس حدیث کی تمام اسناد کو جمع کیا جائے پھر تمام پر بحث کرتے ہوئے حدیث پر حکم لگایا جائے جس طرح شیخ البانیؒ کرتے ہیں، اور اگر متن میں کوئی خرابی ہے تو اس پر بھی تبصرہ کیا جائے اور شواھد اور توابع کو نظروں میں رکھنا بہت ہی فائدہ مند ہے

حدیث کی تحقیق کرنے کا طریقہ۔

جس حدیث کی تحقیق کرنی ہے اس میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے پھر آپ تحقیق میں اصل نتیجہ کو حاصل کر سکتے ہیں

الف: مطلوبہ حدیث کی تمام سندوں کو جمع کرنا۔

ایک حدیث کی تمام سندوں کو جمع کرنے کا طریقہ اس طرح ہے کہ آپ اس حدیث کی سب سے پہلے تخریج کریں کہ یہ حدیث کس کس کتاب میں آتی ہے، جتنی کتب حدیث میں وہ حدیث آتی ہے۔ ہر ایک کتاب کی سند الگ الگ لکھتے جائیں مثلاً آپ کے پاس اس ایک حدیث کی (۱۰) سندیں جمع ہوگئی ہیں، اب ان تمام اسانید میں غور کریں کہ یہ جمع کیا ہوتی ہیں جس راوی پر یہ سندیں جمع ہو رہی ہیں گویا وہ مرکزی راوی ہے جس کے بعد دس کی دس سندیں ایک ہوگئی ہیں اور اس مرکزی راوی سے پہلے سندیں مختلف ہیں اب ہر ہر راوی پر تحقیق شروع کریں۔

راوی کی تحقیق اس طرح کریں گے۔

(۱) راوی کا تعین کہ یہ وہی راوی ہے جس کی تلاش ہے اس کا تعین اساتذہ اور شاگردوں کو دیکھنے سے ہوتا ہے اس میں راوی کی کنیت اور نسبت بھی معاون ثابت ہوتی ہیں۔

راوی کے تعین کے بعد راوی پر جرح وتعدیل دیکھی جائے (اس پر مفصل بحث اپنے مقام پر ہوگی)
رواۃ کی صحیح تعین کرنا بہت ضروری ہے۔

دوران تحقیق جس راوی جرح وتعدیل کے لحاظ سے کرنی ہے سب سے پہلے اس راوی کی تعین ضروری ہے کہ راوی کون ہے، اصل نام سے واقفیت کی جائے پھر دیگر امور پر عمل کیا جائے بعض محققین اس میں عجلت کی وجہ سے کی تعین میں غلطیاں کر جاتے ہیں جس سے راوی کوئی سے کوئی ہو جاتا ہے

بطور نمونہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

کتاب الصمت لابن ابی الدنیا کی تحقیق دکتور نجم عبدالرحمٰن خلف نے کی ہے اس کتاب کی تحقیق میں محقق سے بہت فحش غلطیاں راویوں کی تعین میں سرزد ہوئی ہیں جن کی تفصیل محدث العصر امام ابو اسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب'' تحقیق کتاب الصمت (مقدمہ :ص، ۵تا۱۵) میں درج کی ہے اس سے مثالیں پیش کرتے ہیں شیخ حفظہ اللہ نے تو (۴۷) مثالیں پیش کی ہیں

(۱) کتاب الصمت رقم الحدیث :۲۳، عاصم، عن ابی وائل محقق نجم عبدالرحمٰن خلف نے کہا' عاصم ھو ابن سلیمان۔ محدث الحوینی نے فرمایا: وھذا اخطاء انما ھو عاصم بھدلہ

(۲) کتاب الصمت رقم الحدیث :۲۹، عن ابن ابی لیلیٰ محقق نجم نے کہا، ابن ابی لیلیٰ ھو عبدالرحمٰن انصاری: المدنی الکوفی ثقۃ من الشامیۃ:
محدث الحوینی نے کہا: یہ غلطی ہے درست یہ تو محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے

(۳) کتاب الصمت رقم: ۳۵ عبداللہ بن محمد الانصاری، محقق نے کہا: کہ عبداللہ بن محمد الانصاری لہ الاذان، مختلف فیہ،،
محدث الحوینی نے کہا: یہ غلطی ہے درست یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن محمد ابن سعد الانصاری ہے

(٤) کتا ب الصمت : رقم ، ٧٦ الا عمش عن صا لح بن حیا ن :ثقة ، آ خر ھما صا لح بن حیا ن القر یشی ضعیف ہے۔
محدث الحوینی نے کہا: محقق پر نام میں تصیحف ہوگئی ہے درست بات یہ ہے کہ وہ صالح بن خباب ہے

(ب) تحقیق حدیث میں ضعیف راوی کی متابعت تلاش کرنی چاہے اگر ضعیف راوی کا تابع مل گیا ہے تو اس سے ضعف مضر نہیں رہتا

(ج) تحقیق حدیث کرتے وقت حدیث کا شاھد تلاش کرنا، اگر ایک روایت ضعیف ہے لیکن اس کا شاھد مل گیا اس لیے وہ روایت صحیح لغیرہ بن جائے گی جو کہ حجت ہے۔

(د) اگر کسی سند میں کثیر التدلیس راوی عن سے بیان کر رہا ہے تو اس مدلس راوی کی سماع کی صراحت دیگر کتب سے تلاش کرنی چاہیے
جب مدلس سماع کی صراحت کر دے تو اس روایت صحیح ہو جاتی ہے ص

(ر) تحقیق کرتے وقت اپنے سے پہلے محدثین ومحققین کی تحقیق سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان کی آراء کو بھی مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ان کی نظر بہت وسیع تھی اور وہ فن تخریج وتحقیق میں پختہ تھے لیکن دلیل کی بنا پر ان سے اختلاف بھی ممکن ہے اور یہ اختلاف کسی شاذ اصول یا تعصب کی وجہ سے نہیں ہونا چاہئے، جس طرح بعض لوگوں نے باور کروایا ہے حالانکہ وہ بذات خود شاذ اصول کو آڑ بنا رہے ہوتے

ہیں۔

(س) تحقیق کرتے وقت جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ بہت زیادہ محنت کرنی چاہئے خواہ ایک حدیث کی تحقیق میں ایک سال لگ جائے، کیونکہ یہ معاملہ شریعت کا ہے حدیث کو صحیح کہا تو دین کا حصہ شمار ہوگئی اور اگر ضعیف کہا تو دین تصور نہیں کی جائے گی، وہ علما جو تحقیق میں عجلت سے کام لیتے ہیں منٹوں سیکنڈوں میں تحقیق کرتے ہیں اور پھر اگلے ہی گھنٹے اس سے رجوع کر لیتے ہیں، پھر چند دن بعد کوئی تحقیق سامنے آئی تو اور موقف بنالیا گویا اس طرح ایک حدیث کے بارے میں کئی مرتبہ اپنی تحقیق بدلتے نظر آتے ہیں، اس کی وجہ صرف جلدی بازی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے وقت تمام طرق جمع کیئے جائیں، تمام محدثین کا کلام اس حدیث پر دیکھا جائے اب تو انٹرنیٹ اور مکتبہ شاملہ وغیرہ بھی عام ہیں، ان سے بھی مدد لی جائے اور اصل سے مراجعت کر لی جائے پھر موجودہ محققین اہل علم سے مشورہ کیا جائے پھر استخارہ کیا جائے جب پورا یقین ہوجائے تب جا کر اس تحقیق کو حتمی شکل دی جائے۔ پھر پڑھنے والا کہے گا کہ واقعۃ تحقیق کا حق ادا کیا ہے، ورنہ تحقیق مذاق بن جائے گی، اس موقع پر ایک مثال دینا فائدہ سے خالی نہیں، مشہور حدیث طلب العلم فریضۃ کی تحقیق کرتے وقت محدث البانی رحمہ اللہ نے لکھا کہ میں نے اس کی آٹھ سندیں جمع کی ہیں باقی جمع کر رہا ہوں، (الصحیحۃ: ج۱ص۴۱۶)

شیخ کے شاگرد محدث ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اسی حدیث کی تخریج بائیس صفحات پر مکمل کی اور بیس سے زیادہ سندیں جمع کیں پھر ہر ہر سند پر بحث کی آخر میں خلاصہ نکالا کہ یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔ والحمدللہ، گویا انھوں نے تحقیق کا حق ادا کردیا، ایک طرف یہ تحقیق اور دوسری طرف ایک یا دوسطروں میں تحقیق اس سے منصف مزاج شخص فن تخریج میں محنت اور مشقت کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے، یہ کام عجلت میں کرنا چاہیے یا کہ اس کے لئے لمبا وقت درکار ہے اور بڑا صبر آزماء کام ہے۔

مکتبہ شاملہ اور انٹر نیٹ سے تحقیق کرنا ؟

یہ جدید آلات ہیں جن سے بھر فائدہ اٹھانا چاہئے اور اصل سے مراجعت ضرور کر لینی چاہئے، افسوس کہ بعض لوگ اس کو مطعون گردانتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ پہلے کتب قلمی ہوا کرتی تھیں اہل علم انھیں سے فائدہ اٹھاتے تھے پھر کتب پرنٹ ہونے لگیں اہل علم پرنٹ کی ہوئی کتب سے فائدہ اٹھانے لگے بس اسی طرح کتب مکتبہ شاملہ میں یونی کوڈ اور نیٹ میں پی ڈی ایف وغیرہ کی صورت میں آرہی ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھانا ویسے ہی ہے جیسے پرنٹ کتب سے فائدہ اٹھانا ہے والحمدللہ۔

اللہ تعالی ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو اپنا سرمایا دینی علوم کی جدید سے جدید انداز میں نشرواشاعت پر صرف کررہے ہیں ، اور پوری دنیا کو گھر بیٹھے دینی کتب مہیا کررہے ہیں، اور جن آلات کو کفر وآل شیطان گمراہیوں کے لئے استعمال کر رہے ہیں اہل علم انھیں آلات کو دین کی سربلندی لئے کے استعمال کر رہے ہیں۔

یادرہے پرنٹ کتب پر کوئی بھی انگلی ن ہیں اٹھاتا اسی طرح پی ڈی ایف اور یونیکوڈ کتب پر بھی انگلی نہیں اٹھانی چاہئے۔ اور جس طرح پرنٹ کتب سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں اسی طرح شاملہ اور نیٹ سے فائدہ اٹھانے والے بھی نہایت کم لوگ ہیں، دونوں طرز کی کتب سے فائدہ اٹھانے میں ہی محنت، جستجو، دلچسپی اور لگن چاہئے ورنہ اکثر لوگ نہ پرنٹ کتب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ شاملہ اور نیٹ سے

فائدہ حاصل کرتے ہیں۔فافہم۔

تخریج لکھنے کے اصول :

تخریج مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے اوراس کو لکھتے وقت درج ذیل قواعد کو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۱: سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب سے حدیث ملی ہے پہلے کتاب کا نام لکھا جائے مثلاً صحیح البخاری، پھر لکھا جائے کہ صحیح بخاری کی کس کتاب میں حدیث ہے مثلاً کتاب الایمان، پھر لکھا جائے کہ کتاب الایمان کے کس باب میں حدیث ہے مثلاً باب فلان۔۔پھر کتاب کا جز نمبر اور صفحہ لکھا جائیے مثلاً ج اص ۲۲،اور پھر اس حدیث کا نمبر لکھا جائے اگر میسر ہو اور کتاب کا طبع لکھا جائے مثلاً ط: دارالسلام الریاض۔

تخریج میں یہ سب سے اہم طریقہ ہے اس سے قاری بڑی جلدی اصل کتاب میں موجود حدیث تک پہنچ سکتا ہے۔

اس طریقہ میں تخریج کو اکٹھا اس طرح لکھا جائے گا،(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فلان، ج اص ۲۲، ح:۳۳، ط: دارالسلام الریاض)

۲: مختصر انداز تخریج یہ کہ حدیث جس کتاب میں ہے اس کا نام لکھ کر حدیث کا نمبر یا صفحہ اور جلد لکھ دی جائے مثلاً (صحیح البخاری ،ح:۳۳)

۳: تخریج لکھتے وقت کتب حدیث کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے مثلاً کتب ستہ کے مراتب یہ ہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن النسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ۔تخریج لکھتے وقت کتاب کے مرتبے کے لکھا جائے گا۔

۴: اگر کوئی حدیث مسند احمد اور کتب ستہ میں ہے تو اصول کی پیروی کرتے ہوئے پہلے مسند احمد کا نام لکھا جائے۔

۵: اگر ایک حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں تو ہے لکھتے وقت دونوں کا حوالہ دینا ضروری ہے کیونکہ جو حدیث دونوں میں ہے وہ صحیح حدیث کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہے جس کو متفق علیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے،بعض مخرجین اس اہم اصول سے ناواقف ہیں اور متفق علیہ حدیث پر صرف بخاری یا صرف مسلم کا نام لکھتے ہیں۔حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔مثلاً ان عذاب القبر حق پر صحیح بخاری لکھنا غلط ہے کیونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے اس پر حوالہ متفق علیہ لکھنا چاہئے۔

۶: تخریج کرتے وقت سب سے پہلے حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھنی چاہئے اگر حدیث ان دونوں یا کسی ایک میں ہے تو ہمیں یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے پھر تفصیلی تخریج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۷: صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث کی تخریج کے وقت ''اسنادہ صحیح'' یا ''حدیث صحیح'' لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس حدیث کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونا ہی اس کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے۔لیکن اگر کوئی صحت حدیث کے درجے کی تعیین کرنے کی خاطر لکھ دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں جس طرح استاد محترم شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے مسند سراج کی تحقیق میں یہ انداز اپنایا ہے۔

۸: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ جتنی بھی کتب کے مصنفین نے اپنی کتب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے، کسی حدیث کا ان کتب

میں ہونا صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ان کتب میں بے شمار ضعیف اور غیر ثابت روایات موجود ہیں اور نہ ہی ان کتب کی صحت پر اتفاق ہے وہ کتب درج ذیل ہیں، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المنتقی لابن الجارود، المختارہ لضیاء المقدسی، مستدرک حاکم وغیرہ۔ان میں اور دیگر کتب حدیث میں موجود حدیث کو لکھنے سے پہلے تحقیق کریں گے جو صحیح ہو گی محدثین کے قواعد کے مطابق اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔

۹: حدیث کی تحقیق وتخریج کرتے وقت اگر کوئی روایت ضعیف ثابت ہو جائے وہ ضعیف ضرور لکھنی چاہیے، بعض تاجر قسم کے محقق یہ تو لکھتے ہیں ''ضعیف،، لیکن وجہ ضعیف
نہیں لکھتے، اور بعض نااہل محققین مختلف علماء کی آراء لکھ دیتے ہیں اور راجح تحقیق کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں مثلاً اس حدیث کو حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے اور دکتور بسام نے ضعیف کہا ہے شیخ البانیؒ نے حسن کہا ہے!! یہ انداز انتہائی غلط ہے اس سے قاری کا ذھن منتشر ہو جا تا ہے کہ اب کیا کروں کس کی بات مانوں؟ کس کی چھوڑو؟

۱۰: ان حلات میں حدیث کی تخریج کے لیے امھات الکتب کی طرف رجوع کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ ایسا کرنا اہل فن کے نزدیک معیوب ہے نیز ان کے نزدیک یہ بھی معیوب ہے کہ صحیحین یا ان میں سے کسی ایک حدیث ''صحیح،، کی طرف منسوب کیا بجائے صرف ابوداود، ترمذی، نسائی وغیرہ کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی اعلیٰ درجہ کی کتاب کو چھوڑ کر، ادنیٰ درجہ کی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے (القول المقبول: ص، ۱۷)

۱۱: ہمارے ہاں عموماً ''مشکوۃ،،، ''بلوغ المرام،، ترغیب وترھیب وغیرہ کے حوالے دئے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً: حدیث تو ''المنتقی،، لابی البرکات ابن تیمیہؒ میں ہو گی۔ مگر حوالہ دیتے وقت ''نیل الاوطار،، کا حولہ دیا جاتا۔ (القول المقبول)

۱۲: تخریج کا معنیٰ یہ ہے کہ حدیث کو کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے جس کے موءلف نے اس حدیث کو اپنی سند سے رسو ل اللہ ﷺ سے روایت کیا ہو اور ساتھ ہی حدیث کا درجہ بھی بیان کیا جائے یعنی کہک یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ وغیرہ
یہ صحیح ہے کہ حدیث پر حکم گانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے مگر محدثین غطام کا لگایا ہوا حکم نقل کرنا تو کوئی مشکل نہیں (القول المقبول :۱۲)

۱۳: کسی حدیث کو اس کتاب کی طرف منسوب کرنا جس میں اس کا نام ونشان نہیں یہ بہت بڑی غلطی ہے اس بچنا بہت ضروری ہے مثلاً دیکھیں مشہور من گھڑت ''فاعرضوعلی کتاب اللہ،، اصول شاشی کے حاشیہ: نمبر ۲، ص ۷۶،، میں صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا گیا ہے اسی طرح تفتازانی حنفی نے تلویح (۹/۲، مصر) میں بھی اس کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ سراسر غلط ہے، اسی طرح مشہور منکر اور ضعیف روایت کہ والدین کی طرف ایک دفع دیکھنے سے حج مبرور کا ثواب ملتا ہے کہ خطبات ضیاء اللہ شاہ بخاری،، میں مسلم کی طرف مسنوب کیا گیا ہے حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔

معروف محقق شیخ عبدالروف بن عبدالحنان حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''بعض احادیث ایسی ہیں جنھیں مؤلف (صلاۃ الرسول از ناقل) ابوداود کی طرمنسوب کیا ہے جب کہ وہ بخاری ومسلم یا دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہیں اس طرح بعض احادیث ایسی بھی ہیں

جن کوموصوف نے مسلم کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ وہ بخاری میں بھی ہیں۔مثال کے لئے درج ذیل احادیث دیکھیں (صلوۃ الرسول مع القول المقبول کی ترتیب کے مطابق ۵۰، ۹۰، ۳۴۰، ۴۸۵، ۵۶۶، ۶۹۰، ۶۶۴، ۶۲۵، ۶۳۴، ۶۴۲، ۷۱۲) اس کے علاوہ موصوف نے بعض مسائل کے لئے ابوداود وغیرہ کے حوالہ سے احادیث ذکر کی ہیں جب کہ ان مسائل کے بارے میں بخاری مسلم میں بھی احادیث موجود ہیں، دیکھئے درج ذیل نمبر (۶۷، ۳۹۹، ۴۶۲، ۴۸۸) یہ کمزوری صرف اور صرف اس کتاب کی نہیں بلکہ ہماری اکثر کتابوں کا یہی المیہ ہے۔(القول المقبول ص:۱۶)

حدیث کا غلط انتساب بڑے بڑے محدثین سے بھی صادر ہوا ہے مثلا امام حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کان آخر وصیۃ'' کے بارے میں فرماتے ہیں:''وقد اتفقا علی اخراج ھذا الحدیث وعلی اخراج حدیث عائشۃ'' آخر کلمۃ تکلم بھا''''الرفیق الاعلی۔'' امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دس احادیث کو ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی حدیث آخر کلمۃ کو بھی بیان کیا ہے۔'' (المستدرک: ج۳ص ۵۷)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ہمارے فاضل دوست اور عظیم محقق جن کے متعلق محدث العصر شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں :''جناب خبیب صاحب میدان تحقیق کے شناور ہیں، ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔'' (تقدیم مقالات اثریہ ص:۴۴)

شیخ محمد خبیب احمد حفظہ اللہ لکھتے ہیں:''امام حاکم کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا انتساب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف کرنا محل نظر ہے، کیونکہ یہ روایت سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے، علامہ مزی رحمۃ اللہ نے بھی اس حدیث کو ان دونوں کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔ (تحفۃ الاشراف للمزی: ج ۱ص ۳۱۹، ح: ۲۲۹) یہ روایت صحیح ابن حبان میں بھی موجود ہے جیسا کہ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے ،موارد الظمان (ص ۲۹۸، ح: ۱۲۲۰) میں ذکر کی ہے۔معلوم شد کہ موارد الظمان زوائد علی الصحیحین ھے۔یعنی اس میں صحیح ابن حبان کی ایسی روایات ہیں جو بخاری ومسلم میں نہیں چنانچہ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ مقدمہ کتاب میں فرماتے ہیں:''فقد رائیت ان افرد زوائد صحیح ابی حاتم محمد بن حبان البستی علی صحیح البخاری ومسلم۔'' (مقدمہ موارد الظمان: ص ۲۸) یہ مضبوط دلیل ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری ومسلم میں نہیں امام حاکم رحمہ اللہ کا اسے ان کتب کی طرف منسوب کرنا قابل غور ہے حافظ ذھبی رحمہ اللہ کو بھی چاہئے تھا کہ وہ اس انداز کا امام حاکم کا تعاقب کرتے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اتحاف المھرۃ (ج ۲ص ۲۴۹، ح: ۱۶۴۳) میں اسے صحیح ابن حبان اور مسند احمد کی طرف منسوب کیا ہے اور المستدرک کا حوالہ ان سے رہ گیا ہے، حالانکہ یہ کتاب ان کی شرط پر ہے۔فلستدرک علیہ؟!! (مقالات اثریہ ص: ۴۸۴۔۴۸۵)

دوران تخریج ،تخریج شدہ کتب سے استفادہ کرنا :

جب آپ تخریج کر رہے ہیں تو آپ کے ہم عصر یا ماضی کے کسی اہل علم نے جو کتب حدیث کی تخریج کی ہے ان کی تخریج سے فوائد حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱: تخریج شدہ کتاب پر کلی اعتماد نہیں کرنا چاہئے بلکہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے اس کو خود ضرور دیکھنا چاہئے مثلا دوران تخریج محدث البانی

رحمہ اللہ کی کتاب الصحیحہ سے تخریج حدیث کے متعلق کچھ اہم حوالہ جات ملیں، تو ان حوالوں کو پہلے اصل کتب سے پہلے دیکھ لیا جائے، پھر لکھا جائے، اگر آپ نے حوالے خود اصل مصادر و مراجع سے دیکھے ہیں اور وہ الصحیحہ میں جمع شدہ تھے تو آپ الصحیحہ کا حوالہ نہ بھی لکھیں تو کوئی حرج نہیں بلکہ اصل کتابوں کے حوالہ جات ہی کافی ہیں، لیکن اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ الصحیحہ میں کچھ نادر اور اہم فوائد ہیں تو اصل کتب کا حوالہ دے کر آخر میں لکھ دیں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (الصحیحہ) تاکہ آپ کی کتاب کا قاری الصحیحہ کے فوائد تک بھی رسائی حاصل کر سکے ۔

۲: اگر آپ کسی وجہ سے اصل کتابوں سے حوالے نہیں دیکھ سکے تب تخریج میں الصحیحہ سے حوالے لکھ کر آخر میں لکھ دیں، کذا فی الصحیحہ یا ماخوذ من الصحیحہ یا بحوالہ الصحیحہ ،تاکہ امانت علمی قائم رہے، یہاں ایک بات بطور تنبیہ عرض ہے کہ ہمارے ایک فاضل دوست نے تفسیر ابن کثیر کی تخریج کی تھی انھوں نے کئی جگھوں پر بطور فائدہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی اہم کتب کے حوالے بھی دیئے تھے تاکہ قاری تفصیل وہاں دیکھ سکے،تو تفسیر ابن کثیر پر ایک دوسرے اہل علم کو کام کرنے کے لئے کہا گیا تو اس اہل علم نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام کتابوں کے ناموں پر قلم پھیر دیا؟!! جب ابن کثیر شایع ہوئی تو کئی جگھوں پر ناشر نے شیخ البانی رحمہ اللہ کے نام قائم رکھے،تو نظر ثانی کرنے والے اہل علم نے کتاب دیکھی تو آگ بگولہ ہوگئے کہ شیخ البانی کی کتب کے حوالے کیوں رہنے دیئے؟؟ یہ انداز غلط، ہے اور امت کو علمی فوائد سے محروم کرنا ہے، کسی تعصب کی وجہ سے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتب کا کیا مقام ہے پوری دنیا جانتی ہے اب ان کی افادیت سے کون روک سکتا ہے فرحمہ اللہ۔

۳: اصل کتاب دیکھنے کے فوائد بہت زیادہ ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں ، الف: یقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ حدیث واقعۃ اسی کتاب میں ہے ورنہ شک ہی رہتا ہے، ب: مخرج کی غلطی واضح ہوجاتی ہے اور اگر اس سے ہوئی ہے مثلا ایک حدیث مسلم کی ہے اور اسنے اس کا حوالہ سنن ابی داود کا دیا ہے۔ ج: مخرج کی تحقیق میں وہ حدیث سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حالانکہ اصل کتب دیکھنا سے کہ وہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ذ: مخرج کی تحقیق میں روایت یا راوی ضعیف ہے لیکن اصل کتب کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ تو صحیح حدیث ہے یا راوی ثقہ ہے۔ یا مخرج سے راوی کی تعیین میں غلطی ہوئی ہے۔ ر: اصل کتاب دیکھنے سے حدیث پر محدث کا حکم بھی مل جاتا ہے اس طرح بعض دفعہ اسنادی بحث یا کوئی قیمتی فائدہ خواہ فقہ کے متعلق ہو مل جاتا ہے تبویب وغیرہ سے جو پہلے مخرج نے ذکر نہیں کیا ہوتا۔

ش: پہلے مخرج کی نظر میں علت حدیث ایک تھی، جب اصل کتاب دیکھی تو علتیں اور بھی مل گئیں۔

ص: پہلے مخرج کی نظر حدیث میں موجود ضعف کی طرف نہیں گئی جو بعد والے پر واضح ہوگئی۔

ط: ایک حدیث کو اصل کتاب سے تلاش کرتے ہوئے بے شمار نئے فوائد پر اطلاع ہوجاتی ہے۔

رواۃ پر جرح و تعدیل اور متاخرین و متقدمین محدثین کے درمیان فرق؟

اس طرح رواۃ کی توثیق میں متاخرین اور متقدمین کی بنیاد پر توثیق و تجریح کرنا بھی محل نظر ہے۔ اس بات کو تین مثالوں کو تین مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

مثال نمبر۱:   محمد بن ابی احمد، مولی زید بن ثابت کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے جب کہ متاخرین میں سے، حافظ ضیاء مقدسی (المختارۃ: ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱) حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۱۴) حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۲۶) حافظ ابن حجر (فتح الباری: ج ۷ ص ۳۳۲) حافظ سیوطی (لباب النقول فی اسباب النزول ص: ۶۲) اور علامہ احمد شاکر مصری (تفسیر الطبری ص ۲۱۷ فی الحاشیۃ) نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ اس مثال سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

۱: کہ یہ راوی ثقہ ہے کیونکہ اس کو امام ابن حبان کے علاوہ بے شمار محدثین نے ثقہ کہا ہے گویا ابن حبان اکیلے نہ رہے۔

۲: یہ جملہ کہہ کہ ابن حبان کے علاوہ (باقی تمام متاخرین ہیں لہذا متاخرین کی بات معتبر نہیں) متاخرین کی بات کو رد کر دینا غلط منہج ہے۔

۳: اس راوی کی ان محدثین کے توثیق کرنے کے باوجود اگر کوئی کہے: محمد بن ابی احمد "مجھول وثقہ ابن حبان وحدہ" تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مثال نمبر۲:   ایک راوی ہے راوی ہے ولید بن زوران، اس کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے ان کے علاوہ امام بیہقی اور ابن حجر نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے تو اگر کوئی کہے کہ متقدمین میں سے صرف ابن حبان اکیلے نے ہی ثقہ کہا اس لئے یہ راوی مجہولل ہی ہے۔ تو اس کی بات باطل قرار دی جائے گی اور اس میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ اس راوی کو ابن حبان کے ساتھ بیہقی اور ابن حجر نے بھی ثقہ کہا ہے جو دونوں اگر چہ متاخرین ہیں لیکن انھیں بھی رواۃ پر حکم لگانے کا ملکہ تامہ موجود تھا، بلکہ متاخرین کو کچھ نہ سمجھنا اور یہ کہہ کر ان کی خدمات جلیلہ پر پانی پھیر دینا کہ وہ متاخرین ہیں؟ انتہائی خطرناک معاملہ اور منہج ہے۔ متقدمین ہوں یا متاخرین، ان سے دلیل کی بنا پر اختلاف ہو سکتا ہے مسئلہ اصول حدیث (مثلا حسن لغیرہ) ہو یا رواۃ کی توثیق و تجریح دونوں جگہ پر یہ فرق درست نہیں مثلا حسن لغیرہ کو امام بیہقی، ابن حجر وغیرہ حجت تسلیم کرتے ہیں تو اس کو حجت ہی تسلیم کیا جائے گا (یاد رہے کہ یہ بطور مثال بیان کیا ہے ورنہ ان سے پہلے بھی بہت سے محدثین سے حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے) کیونکہ بیہقی اور ابن حجر متقدمین کی طرح ہی ہیں۔

مثال نمبر۳: ام محمد راویہ کو ابن حبان اور ابن عبد البر نے ثقہ کہا ہے اس راویہ کو ثقہ ہی مانا جائے گا اس کی حدیث صحیح ہوگی، اگر کوئی کہے کہ ابن عبد البر متاخر ہیں تو اس کی بات مردود ہوگی کیونکہ متاخرین اور متقدمین کا فرق قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ہم انھیں تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ مثالیں تو اور بھی بہت زیادہ ہیں۔

امام الجرح والتعدیل شیخ الاسلام محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور حافظ ذھبی نے بھی اس کے متعلق (وثقہ) کہا ہے، اس لئے صرف ابن حبان کی توثیق نہیں رہی بلکہ حافظ ذھبی نے بھی اس کی تائید کی ہے لہذا وہ مجہول الحال نہیں رہے۔" (فتاوی راشدیہ: ج ۱ ص ۳۰۱)

سند میں سفیان سے مراد ؟

سند میں جب سفیان آ جائے تو اس سے مراد ثوری ہیں یا ابن عیینہ؟ اس فرق کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

حافظ ذھبی فرماتے ہیں: ثوری کے شاگرد کبار اور پرانے ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد صغار ہیں انھوں نے ثوری کو نہیں پایا اور یہ بات واضح

ہے پس جب تو قدیم رواۃ نے بیان کیا ہواور نام میں صرف سفیان بولا تو اس سے مراد ثوری ہوں گے اور وہ وکیع ، ابن مھدی ، فریابی اور ابونعیم کی مثل ہیں ۔ان راویوں میں سے اگر کوئی ابن عیینہ سے بیان کرے گا تو ان کا مکمل نام (سفیان بن عیینہ) واضح طور پر لے گا صرف سفیان نہیں کہے گا اور جس راوی کی ثوری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور اس نے ابن عیینہ کو پایا ہے تو وہاں تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں اس کے لئے رواۃ کے طبقات کی معرفت ہونا ضروری ہے ۔(سیر اعلام النبلاء : ج ۷ ص ۴۶۶) یہ ایک اہم قاعدہ ہے جو اکثر تلامذہ پر مخفی ہے ۔

جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ھے تو اس کی جرح قبول نھیں کی جائے گی :

ازدی خود ضعیف ہے اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذھبی فرماتے ہیں :''ھذہ مجازفۃ لیت الازدی عرف ضعف نفسہ ۔'' یہ ظلم ہے کاش ازدی اپنی ضعف کو پہچانتے ۔(السیر : ج ۱۳ ص ۳۸۹) امام ابن حبان فرماتے ہیں :''من المحال ان یجرح العدل بکلام المجروح ۔'' یہ بات محال ہے کہ عادل راوی پر مجروح کے کلام کے ساتھ جرح کی جائے ۔() اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح وتعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں ان کی نہ جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق ۔مثلا شاذکونی ، ابن خراش ، سلمۃ بن القاسم ، دولابی وغیرہ ۔

اھم اصطلاحات:

اس بحث میں علوم حدیث کی اہم اصطلاحات پر بحث کی جائے گی ۔ان شاءاللہ

ا: صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی ۔

اس کا مطلب ہے کہ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور حافظ ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے ۔

یہ اصطلاح علما کے ہاں مشہور ہے جس حدیث پر مستدرک حاکم کی تلخیص میں جس حدیث پر حافظ ذھبی خاموشی اختیار کریں اس خاموشی کو موافقت باور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ کئی ضعیف اور موضوع روایات کو امام حاکم نے صحیح کہا اور ان پر ذھبی نے خاموشی اختیار کی ہے ، بلکہ بعض روایات صراحۃ صحیح کہا ہے تلخیص مستدرک میں لیکن اپنی دیگر کتب میں ان پر سخت نکیر کی ہے ، یاد رہے اس جوجگہ حافظ ذھبی کی موافقت تصور ہوگی جہاں موافقت کا لفظ بولیں یا خود صحیح کہیں یا قلت کما قال جیسے الفاظ کہیں ، ورنہ محض خاموشی کو موافقت قرار دینا درست نہیں ہے ۔اس اصول پر سیر حاصل بحث کا مطالعہ کرنے کے لئے فاضل محقق شیخ خبیب احمد حفظہ اللہ کی قیمتی اور لاجواب کتاب (مقالات اثریہ ، ص : ۴۷۹ تا ۵۰۸) کا مطالعہ کریں ۔

۲: حافظ ذھبی کا کسی راوی کے متعلق کہنا وثق ؟

حافظ ذھبی اس اصطلاح کا اطلاق عام طور پر اس راوی پر کرتے ہیں جس کو صرف امام ابن حبان نے صحیح کہا ہوتا ہے ۔اور حافظ ذھبی خود ان راویوں کو میزان میں مجھول کہہ دیتے ہیں ۔تفصیل کے لئے دیکھئے (الصحیحۃ للالبانی : ج ۵ ص ۱۷۹)

۳: رجالہ رجال الصحیح ۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیح (بخاری یا مسلم یا صحیح حدیث) کے راوی ہیں ، اگر کسی حدیث کے متعلق کوئی محدث

یہ اصطلاح استعمال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے، اس جملہ سے صرف صحیح حدیث کی ایک شرط کا ثبوت ملتا ہے کہ راوی ثقہ یا صدوق ہیں (اور یہ بھی بات تحقیق کی محتاج ہوتی ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کے کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کی روایت بخاری و مسلم میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن ان کی حدیث اگر کسی دوسری کتاب میں آجائے تو ضعیف ہوتی ہے۔ فافہم) صرف راویوں کے ثقہ وصدوق ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ دیگر چیزوں کی بھی تحقیق کرنا ضروری ہے مثلا سند متصل ہونا، اس روایت کا شاذ اور معلل نہ ہونا۔۔۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: صحیح کے راوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے مروی ہر حدیث صحیح ہے۔'' (النکت لابن حجر: ص ۲۷۵)

۴: رجاله ثقات۔

اس کا معنی ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس سے بھی روایت کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ روایت منقطع ہوسکتی ہے اس طرح کوئی اور علت بھی ممکن ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''لا یلزم من کون رجاله ثقات ان یکون صحیحا۔'' راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے۔ (التلخیص الحبیر: ج ۳ ص ۱۹)

۵: اصح شیء فی الباب۔

اس کا مطلب ہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے۔

اس عبارت سے بھی حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ محدثین اس اصطلاح کو ضعیف حدیث کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور س وقت وہ مراد لیتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ راجح یا سب سے کم ضعف والی ہے۔ (الاذکار للنووی ص: ۱۶۹)

۶: حدیث صحیح بمقابلہ حدیث صحیح الاسناد، حدیث حسن بمقابلہ حدیث حسن الاسناد زیادہ درجہ والی ہوتی ہے کیونکہ صحیح مطلق طور پر سند اور متن کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ صحیح الاسناد سے صرف سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے۔ اس سے متن میں موجود کسی علت کی نفی نہیں ہوتی۔ بعض لوگ صرف سند پر ہی حکم لگاتے ہیں ان کی تمام تحقیقات سندہ صحیح یا سند ضعیف سے بھری نظر آتی ہیں، حالانکہ حدیث کی تحقیق سند اور متن دونوں کی تحقیق سے مکمل ہوتی ہے!

۷: یتلقن وہ لقمہ قبول کرتا ہے

کتب جرح وتعدیل میں کئی راویوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یتلقن وہ قبول کرتا تھا، اس کا مطلب ہے کہ راوی کو کوئی چیز بتائی جائے اور وہ اسے یہ امتیاز کئے بغیر بیان کرتا ہے کہ یہ بات میری ہے یا نہیں، جو راوی لقمہ قبول کرتا ہے اس سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی روایت بیان نہ کردے جو اس کی نہیں۔

تدلیس کثیر کرنے والا راوی جب عن سے بیان کرے؟

مدلس راویوں کے مختلف طبقات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی اگر کثرت سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے مگر جو راوی قلیل التدلیس ہو اس کی معنعن روایت مقبول ہوگی الا کہ اس کی اس روایت میں تدلیس ثابت ہوجائے۔

یعنی وہ روہ روایت تدلیس شدہ ہوگی، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: اذا کان الغالب علیہ التدلیس فلاحتی یقول: حدثنا۔" جب تدلیس اس پر غالب آجائے تب وہ حجت نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ سماع کی صراحت کرتے ہوئے حدثنا (یاسمعت یا اخبرنا) کہے۔(الکفایۃ للبغدادی: ج۲ص ۳۸۷ وھوصحیح) امام مسلم نے فرمایا: "محدثین نے جن راویوں کا اپنے شیوخ سے سماع کا تتبع کیا ہے، وہ ایسے راوی ہیں جو حدیث میں تدلیس کی وجہ سے مشہور ہیں وہ اس وقت ان کی روایات میں صراحت سماع تلاش کرتے ہیں تا کہ ان سے تدلیس کی علت دور ہو سکے۔" (مقدمہ صحیح مسلم ص:۲۲ ط دارالسلام) یہی موقف محدثین کا ہے۔

تدلیس کے متعلق چند اہم اصول :

پہلا اصول:

قلیل التدلیس راوی کی عن والی روایت صحیح ہوتی ہے الا کہ اس میں تدلیس ثابت ہو جائے ماقبل اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، ایک مثال پیش خدمت ہے۔امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ، زہری کی قلت تدلیس کی وجہ سے محدثین نے ان کی معنعن روایت قبول کی ہے جیسا کہ متعدد اہل علم نے تصریح کی ہے، حافظ ذھبی لکھتے ہیں: وہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے۔(میزان الاعتدال: ج۴ص۴۰)

حافظ علائی نے انھیں دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے ائمہ نے ان کے عن کو قبول کیا ہے۔(جامع التحصیل، ص:۱۳۰۔۱۳۵)

علامہ سبط ابن العجمی فرماتے ہیں: "ائمہ نے ان کا عنعنہ قبول کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے خود فتح الباری (ج۱۰ص۴۲۷) میں قلیل التدلیس کہا ہے۔اور یہی راجح ہے۔

دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ (الحدیث الحسن: ج۱ص ۴۷۹)

دکتور عبداللہ دمفو (مقدمہ مرویات الزہری المعللۃ، ج۱ص ۵۴۔۵۵)

محدث ابواسحاق الحوینی (بذالاحسان: ج۱ص ۱۷، ۱۸)

دکتور ناصر بن حمد الفھد (منہج المتقدمین فی التدلیس ص:۸۴۔۸۵)

دکتور محمد بن طلعت (معجم المدلسین ص:۴۱۶۔۴۲۰)

دکتور حاتم شریف العونی (التخریج ودراسۃ الاسانید، ص:۷۷)

استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق اثری (توضیح الکلام، ج۱ص ۳۸۸۔۳۹۰)

وغیرہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قلیل التدلیس کا عن سے روایت کرنا مضر نہیں ہے۔

دوسرا اصول : جو مدلسین صرف ثقہ راویان سے بیان کریں تو ان کا عنعنہ مقبول ہوگا یہی موقف راجح ہے اور ائمہ فن کا یہی موقف ہے مثلا

حافظ ابوالفتح الازدی (الکفایۃ: ج۲ص۳۸۶)

حافظ ابوعلی الحسین بن علی بن زید الکرابیسی (شرح علل الترمذی لابن رجب: ص۵۸۳)

حافظ بزار (النکت لابن حجر: ج۲ص۶۲۴)

ابوبکر الصیر فی (النکت لابن حجر: ج۲ص۶۲۴)

ابن عبدالبر (التمھید: ج۱ص۱۷)

قاضی عیاض (مقدمہ اکمال المعلم ،ص:۳۴۹)

حافظ علائی (جامع التحصیل ،ص:۱۱۵)

حافظ ذھبی (الموقظہ ص:۱۳۲) وغیرہ

اس کی مثال میں صرف امام ابن عیینہ آتے ہیں ان کے متعلق محدثین نے صراحت کی ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے ہی تدلیس کرتے تھے اور ان کا عن سے روایت کرنا کوئی مضر نہیں۔مثلا

امام ابن عیینہ کے عن کو ائمہ نے قبول کیا ہے مثلاً

حافظ ابوالفتح ازدی فرماتے ''ہم ابن عیینہ جیسوں کی تدلیس (عنعنہ) قبول کرتے ہیں (الکفایہ:۲/۳۸۷،رقم:۱۱۶۵) امامابن حبا ن (مقدمہ الاحسان:۱/۱۲۱)

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: محدثین کے بقول ابن عیینہ کی تدلیس (معنعن) مقبول ہے.(التمھید :۱/۳۱) قاضی عیاض (مقدمہ اعمال المعلم :۳۴۸/۳۴۹)

حافظ ذھبی فرماتے ہیں: ان (ابن عیینہ) سے احتجاج پر امت کا احتجاج ہے وہ مدلس تھے مگر معروف ہے کہ وہ صعرف ثقہ سے ہی تد لیس کرتے تھے'' (میزان الاعتدال:۲/۱۷۰،سیر علام النبلاء:۷/۲۳۲)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: دوسرا طبقہ ان مدلسین کا ہے جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے... یا وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں جیسے ابن عیینہ ہیں (طبقات المدلسین :۱۲)

حافظ دارقطنی فرماتے ہیں: وہ صرف ثقات تدلیس کرتے ہیں (سوءالات الحاکم للدارقطنی :۱۷۵) اس پر بہت زیادہ محدثین اور ائمہ فن کے اقوال ملتے ہیں ہم بس انہیں پر اکتفا کرتے ہیں

حسن لغیرہ :

تعریف۔

جامع تعریف یہ ہے۔'' اعتضا د روا یة ضعیفة قا بلة الا نجبا ر بروا یهة ضعیفة اء خر ی 'فا کثر ها قا بلة للا نجبار

ایضاً" ایسی ضعیف حدیث جوتقویت حامل کرنے کے قابل ہوایسی ضعیف حدیث یا احایث سے تقویت حاصل کرلے جوتقویت دینے کے لا ئق ہو: (الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ للدکتورخالد بن منصورالدریس: ۲۰۸۸/۵)

اس میں ایک حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں اوران ضعیف شدید نہیں ہوتا اس وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں اگرضعف شدید ہے تووہ حسن لغیرہ کے

درجے تک نہیں پہنچی ، یہ بات اچھی طرح جالینا چاہیے کہ ائمہ محدثین کا یہی موقف ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے، ضعف خفیف اورضعف شدید کے فرق کالحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

اس کا حجت ہونا بہت زیادہ محدثین سے ثابت ہے، مثلاً امام شافعیؒ، امام احمدؒ امام بخاریؒ، امام جوزجانیؒ ، امام ابوداوؒد، امام ترمذیؒ امام دارقطنیؒ ، امام حاکمؒ ، امامؒ بیہقی ، حافظ ابن حجرعساکر، علامہ حازمیؒ، حافظ عب دالقادررہاوی، حافظ ابن الصلاحؒ، امام منذری، امام نوویؒ، حافظ ابن دقیق العیر ، شیخ السلام ابن تیمیہؒ، ابن سیرالناس، امام ابن عبدالھادی، حافظ ذھبی ، امام ابن القیمؒ، علامہ تقی الدین سبکیؒ، حافظ علائی، علامہ ذیلعیؒ ، حافظ ابن کثیرؒ، علامہ زرکشی، حافظ ابن رجب، علامہ ابن الملقن ، حافظ عراقی، علامہ ابن الوزیر، ابن الترکمانی، حافظ ابن حجرؒ، علامہ بقا عی، حافظ سخاویؒ، حافظ سیوطی وغیرہ۔

اس کی مکمل تفصیل شیخ خبیب احمد حفظہ اللہ کی قیمتی کتاب (مقالات اثریہ) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر کا سکوت :

حافظ ابن حجر کا اپنی کسی بھی کتاب مثلاً 'فتح الباری'، 'تلخیص الحبیر 'الدرایہ، ھدایۃ الرواۃ وغیرہ میں حدیث کا بیان کرکے اس پرسکو ت اختیار کرنے سے اس حدیث کا حافظ ابن حجر کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا فتح الباری کے اورھدایۃ الرواۃ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے گوکہا ہے کہ جس حدیث پر میں خاموشی اختیار کروں وہ میرے نزدیک حسن ہے۔ لیکن اس اصول پر پورے نہیں اترے بلکہ کذاب متروک راویوں کی روایات پر بھی خاموش رہے ہیں.

مثلاً: ۱، احمد الباھلی بالاتفاق متروک اورکذاب روای ہے لیکن اس سے مروی حدیث پر حافظ ابن حجرن سکوت اختیار کیا ہے (فتح الباری :۳۱۶/۲، التلخیص :۱۳۳/۲)

۲: اسی عبدالغفار بن قاسم کذاب اورمتروک کی روایت پر حافظ صاحب نے خاموشی اختیار کی ہے (فتح الباری: ۵۰۳/۸)

۳: اسی طرح محمد بن سائب کلبی کی جھوٹ سے مروی روایت حافظ ابن حجر نے خاموشی اختیار کی (فتح الباری: ۱۵۳/۷)

صاحب بصیرت کے لیے یہی تین مثالیں کافی ہیں کہ حافظ ابن حجر اپنی کتاب میں کذاب اورمتروک راویوں کی روایات موضوع پر بھی خاموشی اختیار کرجاتے ہیں توان کا سکوت حسن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے (اعلاء السنن فی المیزان: ۷۴، ۸۹)

امام حاکم اورعلامہ ذھبی کا سکوت :

امام حاکم کا مستدرک حاکم میں اورحافظ ذھبی کا تلخیص مستدرک حاکم میں کسی حدیث پرخاموشی اختیار کرنا ان کے نزدیک صحیح ہو

نے پر دلالت نہیں کرتی بعض لوگ اپنے مسلک کی تائید میں وارد روایت کوصحیح بارکرانے کے لیے مذکورہ بے بنیاد کا سہارا لے لیتے ہیں اور مسلک کے خلاف حدیث میں اپنے اس مزعومہ اصول کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں

امام حاکم نے تو مستدرک میں کذاب اور ضعیف راویوں کی روایات پر بھی سکوت اختیار کیا جواس بات کی دلیل ہے کہ ان کا سکو ت حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

تفصیل کے لیے(اعلاء السنن فی المیز ان :ص،۹۴/۸۹،اور مقالات اثر یہ :ص،۵۱۱/۴۷۹)دیکھیں

جن میں سے بعض کتب کی جلدوں میں بھی ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندے شیخ البانیؒ سے راضی ہو جائے کہ جنھوں نے حدیث کے اہم فن''تضریج و تحقیق'' کے ذریعے ہزاروں احادیث کی

چھان پھٹک کی اور امت مسلمہ پر احسان عظیم کیا اور بے شمار شاگرد تیار کیے جو پوری دنیا میں فن تخریج وتحقیق کو اپنائے ہوئے ہیں مثلاً ابو اسحا ق الحوینی المصر ی، محدث ابوعبیدہ مشہور

حسن الاردنی، محدث علی حسن الحلبی الاردنی، محدث نبیل بن منصور البصارہ وخلق کثیر۔

اگر میں کہوں کہ آپری دنیا میں یونیورسٹیوں، مدارس وجامعات اور تصنیف وتالیف میں جہاں بھی تخریج وتحقیق پر کام ہو رہا ہے .اس کی وجہ محدث، امت مسلمہ کے محسن شیخ

البانیؒ ہیں بعض حاسدوں نے حسد کیا اور خود بدنام ہوئے، میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس نے شیخ البانی سے عداوت کی ہو اور اسے عقل مند لوگوں نے پسند کیا ہو

یہ چند سطور لکھنے کے راقم ''فن تخریج وتحقیق'' پر لکھنے کے قابل ہوا ہے تو اس کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور میرے شیوخ عظام اور شیخ البانیؒ کی کتب ہیں .فجزاھم اللہ خیراً۔ اللہ تعالیٰ ہر اہل علم کو اس فن سے دل چسپی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین.

چند اہم فوائد :

(۱) راوی پر جرح تعدیل کے لحاظ سے حکم لگاتے وقت مختصر کتب جرح تعدیل پر اکتفا کرنا درست نہیں ہے مثلاً الکاشف للذھبی، المغنی للذھبی اور تقریب التھذیب لابن حجر وغیرہ۔ بلکہ مفصل کتب کی طرف مراجعت انتہائی ضروری ہے خصوصاً اس وقت جب کسی راوی میں اختلاف ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف تب مفصل کتب جرح تعدیل کی طرف مراجعت ضروری ہے جاتی ہے مثلاً الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، التاریخ الکبیر للبخاری، تھذیب الکمال للمزی وغیرہ

(۲) رواۃ تین قسم کے ہیں[۱] وہ رواۃ جن کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے[۲] وہ رواۃ جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے[۳] وہ رواۃ جن کے ثقہ یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے

گویا تحقیق کے دوران مختلف فیہ رواۃ پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب قول کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۳) احادیث تین قسم کی ہیں[۱] وہ احادیث جن کے صحیح ہونے میں اتفاق ہے[۲] وہ احادیث جن کے ضعیف ہونے میں اتفاق ہے

[۳] وہ احادیث جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔

گویا دوران تحقیق مختلف فیہ احادیث پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب قول کو اختیار کرنا چاہیے۔ نیز دیکھیے (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱/۳۲۔ ۳۸ مجمع استفاوی لابن تیمیہ ۱۸/۴۹)

(۴) اگر کسی حدیث کو ناقد محدث کسی علت کی بنا پر معلول قرار دے تو اس علت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس طرح جب وہ کسی حدیث کو صحیح قرار دے تو اسے صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ اگر کوئی دوسرا محدث اس سے اختلاف کرے تو ترجیح کی صورت نکالی جائے گی طرفین کے غور وفکر کے بعد ایک کو راجح کہا جائے گا

النکت علی ابن الصلاح لابن حجر۔۲/۱۱۷

(۵) دوران تخریج ہر ہر راوی پر مفصل بحث کرنا فوائد سے خالی نہیں ہے لیکن اگر وہ ثقہ ہے تو توثیق کے چند اقوال بمعہ حوالہ جات لکھ دینے کافی ہیں مثلاً ایک راوی ثقہ ہے اس محدثین میں سے دس نے توثیق کی ہے تو وہاں صرف تین محدثین کے اقوال پر اکتفاء کرنا اور ساتھ وغیرہ لکھ دینا کافی ہے

(۶) اگر کوئی معتبر محدث کسی حدیث پر حکم لگاتے وقت لکھ دے ''سندہ صحیح'' یا رجالہ ثقات اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں تو رجالہ ثقات وغیرہ کہنے سے راوی کا ثقہ اور عادل ہونا تو اس کے نزدیک ثابت ہوتا ہے لیکن باقی تین شرطیں اس میں نہیں پائی جاتیں لیکن اس اعتماد کرنے سے پہلے تمام رواۃ کے
حالات خود دیکھ لیے جائیں تاکہ حقیقی یقین حاصل ہو اور شک وشبہ ختم ہو جائے کیونکہ بعض محدثین صرف اکیلے ابن حبان کی توثیق کی وجہ سے بھی ''رجال ثقات'' کہہ دیتے ہیں مثلاً
حافظ ھیثمی مجمع الزوائد میں

(۷) تخریج میں حدیث کی اصل سند کتب کی طرف نسب کرنا ضروری ہے ایسی کتب جو مختصرات نہیں اور ان کی سندیں بھی محذوف ہیں مثلاً ''مشکوۃ''، بلوغ المرام'' تو تخریج میں ان کی طرف حدیث کی نسبت کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا

(۸) دوران تخریج صرف ایک نسخے پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس کتاب کے جتنے بھی مطبوع یا مخطوط نسخے ہیں تمام پر رسائی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ ایک حدیث ایک مخطوط میں نہیں ہوتی لیکن وہی حدیث کسی دوسرے مخطوط میں ہوتی ہے مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ ''انما الاعمال بالنیات'' موطا امام مالک میں نہیں ہے حالانکہ یہ حدیث اس موطا میں ہے جو سوید بن سعید روایت کرتے ہیں کذا قال السیوطی (تنویر الحوائق ۱/ ۱۰)

اسی سنن الترمذی میں ''حسن صحیح''، نقل کرنے میں نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے جس طرح ابن اصلاح (مقدمہ ابن اصلاح ۲/ص:۳۲، بتحقیق العیتر) نے کہا ہے

ااور اس کی بے شمار علماء محدثین نے وضاحت کی ہے، شیخ احمد شاکر مصریؒ نے اپنی تحقیق سنن الترمذی میں اس شکل کو حل کرنے کی غرض سے

انتہائی عمدہ کام شروع کیا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی، فجزاہ اللہ خیرا۔

(۹) تخریج سے مقصود حدیث پر کتب حدیث واجزاء وغیرہ کے احوالوں کو جمع کرنا مقصد نہیں بلکہ تخریج کا مقصد حدیث کے مرتبے کی پہچان کرنا ہے، اور طرق حدیث پر بحث کرنا اس

وقت اہم بلکہ فرض ہو جاتا ہے جب کسی تابع یا مدلس کے سماع کی صراحت یا مبہم راوی کے نام کی صراحت تلاش کرنا مقصود ہو۔ یا قیمتی اسنادی فوائد پیش نظر ہوں۔

(۱۰) دوران تخریج حدیث کا حوالہ مشہور متداول کتب سے دینا چاہیے اگر ان میں ہو۔ لیکن مشہور کتب میں حدیث بھی ہے لیکن وہ حوالہ دور کی کسی کتاب کا دے رہا ہے

مثلا: اگر کوئی سنن ابی داود کی بجائے مستدرک حاکم کا حوالہ لکھتا ہے تو یہ فنی اعتبار سے درست نہیں، مستدرک حاکم کی بنسبت سنن ابی داود قریب کی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ امام ابن قطان نے بیان الوھم والاءمام مستقل باب باندھا ہے کہ وہ احادیث جن کو علامہ شبلی نے دوا کی کتب کی طرف منسوب کیا ہے

(۱۱) اگر کوئی حدیث بخاری ومسلم دونوں میں ہے تو حوالہ لکھتے وقت دونوں کا حوالہ لکھنا ضروری تا کہ حدیث کو اصل درجہ حاصل ہو۔ مثلاً ''عذاب القبر حق'' ایک حدیث بخاری ومسلم کی طرح ہے لیکن اگر کوئی اس پر حوالہ صرف بخاری کا لکھتا ہے تو گویا قاری اس حدیث کو صحیح حدیث کے درجوں میں سے دوسرا درجہ دے گا حالانکہ وہ حدیث بخاری ومسلم دونوں کی اعلی درجہ کی حدیث ہے۔

(۱۲) اگر بخاری ومسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں ہے تو قیمتی فائدے کی غرض ان کے علاوہ دیگر کتب سنن وصائیہ وغیرہ کے حوالے لکھنا بھی درست ہے لیکن تاجرانہ سوچ رکھ کر کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے بالکل درست نہیں۔ نووی ومیاطی اور حسینی نے وضاحت کی ہے لیکن علامہ شاطبی ایک تنبیہ کی ہے کہ اگر حدیث کی سندوں کو اکھٹا کرنے کا مقصد متوتر کو پہچاننا ہو تب بخاری ومسلم کے ساتھ دیگر کتب کے حوالے لکھنا ضروری ہے۔ گو یہ بھی قیمتی فائدہ ہے(:۹۹)

(۱۳) دوران تخریج صرف کتاب کا نام لکھ دینا کافی نہیں بلکہ مکمل حوالہ لکھنا چاہیے مثلاً صحیح بخاری کتاب فلاں، باب فلاں رقم الحدیث فلاں یا جز فلاں یا صحیح البخاری کتاب فلاں، باب فلاں یا صحیح البخاری رقم الحدیث فلاں، ان طریقوں سے پہلا طریقہ زیادہ فوائد پر مشتمل ہے اس میں کتاب، باب حدیث جز یا جلد اور صفہ نمبر تمام چیزیں آجاتی ہیں، قاری کا حدیث تک پہنچنا انتہائی آسان ہے جاتا ہے

(۱۴) کتب حدیث اور رجال کا منہج سمجھنا بہت ضروری ہے اس پر بحث آگے آرہی ہے انشاءاللہ

(۱۵) تحقیق حدیث میں جہاں سند کی تحقیق میں رواۃ پر بحث ہوتی ہے اور سند میں اتصال یا انقتاع معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے وہاں متن کی تحقیق بھی بہت ضروری ہے وہ متن شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب، وغیرہ کی قسموں میں سے تو نہیں. گو یا صرف سند کی تحقیق کو پیش نظر رکھنا غلط ہے جس پر ہمارے بعض شیوخ چلے ہیں!!! تحقیق میں متن کو بھی پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے

(۱۶) اگر سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور اس میں صحیح حدیث کی باقی شروط بھی موجود ہیں اس پر ''صحیح لذاتہ'' کا حکم لگایا جائے گا۔

(۱۷) اگر سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں سوائے ایک کے وہ صدوق درجے کا ہو تو اس کا حکم ''حسن لذاتہ'' ہوگا

(۱۸) ضیف روایت کو بیان کرتے وقت صیغہ تمریض استعمال کیا جائے گا تا کہ قاری وھم میں نہ پڑھے افسوس کہ بعض علماء ضعیف روایت کو بھی صیغہ جزم کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں حالانکہ یہ انداز درست نہیں ابن الصلاح نے اس پر عمدہ بحث کی ہے (مقدمہ ابن الصلاح ص:۹۳۔۹۴)

(۱۹) جس طرح صحیح حدیث کی اقسام ہیں تو تخریج کے وقت جو حکم ثابت ہو وہی لگانا چاہیے اسی طرح ضیف حدیث کی بھی بہت زیادہ اقسام ہیں جو حکم جس پر ثابت ہوگا وہی لگایا جائے گا مثلاً اگر روایت موضوع ہے تو اس کو موضوع ہی کہا جائے گا اگر اس پر حکم ضیف کا لگا دیا تو یہ غلط شمار ہوگا اس پر شیخ البانی نے بہت زور دیا ہے، فجزاہ اللہ خیراً

(۲۰) بعض علماء حسن حدیث کو صحیح سے الگ نہیں کرتے بلکہ حسن پر بھی صحیح کا اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً ابن حبان اور ابن خزیمہؒ اگر دیکھا جائے تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بے شمار حسن روایات موجود ہیں لیکن ان کو صحیح میں شمار کیا گیا ہے

ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ:

جب کسی ضعیف حدیث کو لکھنا ہو یا بیان کرنا ہو تو اس وقت جزم کے صیغے (یعنی صیغہ معروف) سے بیان نہیں کرنی چاہیے بلکہ صیغہ تمریض (یعنی صیغہ مجہول) سے بیان کرنی چاہیے۔ افسوس خطیبوں پر جو پہلے تفصیل سے ضعیف قصہ یا روایت بیان کرتے رہتے ہیں تقریر کے آخر میں کہہ دیتے ہیں فیہ مقال یا فیہ کلام یا یہ روایت ضعیف ہے

یہ طریقہ غلط ہے بلکہ پہلے یہ بتانا چاہیے کہ ایک ضعیف روایت ہے اس سے بچو اس پر عمل کرنا چھوڑ دو پھر وہ روایت بیان کی جائے اس کے متعلق علامہ نووی لکھتے ہیں: محدثین اور محققین کا یہ کہنا ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کے بارے میں یوں نہیں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے یا آپ نے کہا یا آپ نے کرنے کا حکم دیا ہے یا منع کیا ہے اور اسی طرح دوسرے جزم کے صیغوں سے، بلکہ ان سب صورتوں میں یوں کہا جائے کہ آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے، یا نقل کیا گیا ہے یا روایت کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ

اور یہ اس لیے ہے کہ جزم کے صیغے رویت کی صحت کے متقاضی ہوتے ہیں، لہذا ان کا اطلاق اسی روایت پر کیا جانا چاہیے، جو صحیح ثابت ہو، ورنہ وہ انسان رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کی مانند ہوگا مگر اس ادب کو مصنف جمہور فقہاء اور دیگر اہل علم نے ملحوظ نہیں رکھا سوائے ماہرین محدثین کے۔ اور قبیح قسم کا تساھل ہے کیونکہ وہ بہت سی صحیح روایات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ سے روایت کی گئی ہے

(۴) زیادتی کے قبول اور رد کا انحصار قرائن پر ہے۔ اس لیے اس میں پائے جانے والے داخلی اور خارجی قرائن کو مد نظر رکھنا ہوگا ۔اہل اصطلاح نے اس صورت کو ''علت'' کی بحث میں ذکر کیا ہے۔ (منقول از: مقالات اثریہ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے مقالات اثریہ کا مطالعہ کریں)

۶۲۳ علامہ زیلعی نے فقہ حنفی کی معروف کتاب ''ھدایہ'' کی تخریج کی جس کا نام ''نصب الرایہ'' رکھا، جس کا خلاصہ حافظ ابن حجر نے ''الدرایہ'' کے نام سے لکھا، اسی طرح ابن حجر نے الرافعی الکبیر کی تخریج میں ''التخلیق التعلیق''، لکھی علامہ تبریزی نے مصابیح السنہ کی تخریج کی اور اس پر تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا جس کا انھوں نے نام ''مشکوۃ المصابیح'' رکھا

اس طرح کام ہوتا رہا پھر نویں صدی ھجری میں ابن الملقن نے ''الشرح الکبیر للرافعی'' کی تخریج بنام ''البدر المیز'' کی علامہ عراقی نے احیاء علوم الدین کی تخریج بنام ''المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار''، لکھی، دسویں صدی ھجری میں علامہ سخاوی نے غنیۃ الطالبین کی تخریج بنام ''البغیۃ بتخریج الأحادیث الغنیۃ''، لکھی علامہ سیوطی ''اشفا'' کی تخریج بنام ''مناھل الصفا''، لکھی، گیارھویں صدی ہجری میں ملا علی قاری نے شرح عقائد نسفیہ'' کی تخریج کی اور علامہ مناوی نے تفسیر بیضاوی کی احادیث کی تخریج بنام ''تحفۃ الراوی فی تخریج احادیث البضاوی'، لکھی۔ پھر چودھویں صدی ھجری میں شیخ الناصر الدین البانیؒ نے تخریج وتحقیق پر کام شروع کیا اور اپنی ساری زندگی بس اسی فن کی خدمت میں صرف کر دی اور اپنی (۱۲۰) کتب میں فن تخریج وتحقیق کو زندہ کیا۔

ائمہ جرح تعدیل کا تعارف :

امام ابوحاتم رازیؒ یہ اما مجرح وتعدیل کے بہت بڑے امام تھے لیکن جرح کرنے میں متشدد تھے

علامہ ذھبی لکھتے ہیں: جب امام ابوحاتم کسی کو ثقہ کہدیں پس تو ان کے قول کو لازم پکڑتے کیونکہ وہ اسی بندے کو ثقہ کہتے ہیں جس کی حدیث صحیح ہو۔ اور کسی راوی کو کمزور قرار دیں یا اس کے بارے میں کہیں ''لا یحتج بہ'' پس تو ٹہر جا یہاں تک کہ تو دیگر محدثین کے اقوال اس راوی کے بارے دیکھ لے پس اگر کسی نے اس کو ثقہ کہا ہے پس تو ابوحاتم کی جرح کو بنیاد مت بنا بے شک وہ راویوں میں بہت سختی کرنے والے تھے انھوں نے تو ثقہ راویوں کے متعلق کہا ہے ''لیس بحجۃ''، لیس بقوی'' یا اس جیسے الفاظ (سیر أعلام النبلاء:۱۳/۲۶۰)

حافظ ابن حجر نے بھی امام ابوحاتم رازی کو متشدد کہا ہے (ھدی الساری ص:۱۶۲) نیز دیکھیں (الرفع والتکمیل ص ۲۷۹،۲۸۰)

راویو ں کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف کرنا !

دوران تحقیق کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف سے کام لینا فرض ہے کیونکہ اگر ایک راوی ناانصافی کی وجہ سے ضعیف ہو گیا تو اس کی روایات پر تنقید ہو گی اور اگر کوئی راوی ناانصافی کی وجہ سے ثقہ ظابت کر دیا تو اس کی احادیث کو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض متعصب اور مقلد اہل علم اپنی متدل حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس کے راویوں کو ثقہ ثابت کریں گے خواہ انھیں جیسے مرضی ثقہ کہنا پڑے، حالانکہ وہ راوی ضعیف ہوتا ہے بلکہ کذاب ودجال راویوں کو بھی ثقہ ثابت کیا جا تا ہے۔ یا اسفا، اس پر مفصل بحث کے لیے دیکھیے استاذ محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ کی لاجواب کتاب ''اعلاء السنن فی المزان'' اور مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئنے میں، اسی طرح بعض اہل علم اپنے غلط اصول کو ثابت کرنے کے لیے بطور مثال جب کسی روایت کو ثابت کرنا ہو تو اس کے راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کی ناکام کوششکر تے ہیں اور وہاں انصاف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ انداز خیانت پرمبنی ہے بلکہ جرح وتعدیل کے آئمہ کی بات راجح قرار دی جائے خواہ وہ جرح وتعدیل کسی پر بھی ہو

ثقه کی زیادتی:

تعریف: جب راوی کسی حدیث (سند یا متن یا دونوں) میں کسی اضافے کو اپنے استاد سے بیان کرنے میں باقی راویان سے علیحدہ ہو تو اسے زیادۃ الثقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے (اختصار علوم الحدیث لابن کثیر: ص ۶۱)

زیادۃ الثقہ کے حکم کا خلاصہ:

مصطلح الحدیث میں زیادۃ الثقہ کی بحث میں محدثین نے جو تفصیل بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ (۱) زیادتی کے رد اور انکار کا مدار اس پر ہوگا کہ وہ زیادتی دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے منافی ہوگی تو ایسی صورت میں جمہور محدثین کے ہاں نا قابل اعتماد ہوگی ۔ (۲) اگر وہ منافی نہ ہو اور کوئی قرینہ اس کے خطا، نسیان یا وہم پر بھی دلالت نہ کرے، یعنی اس زیادت کو ایک مستقل حدیث ایسی اساس حثیت حاصل ہو تو وہ بلاشبہ قابل قبول گی۔

فضیلۃ الشیخ محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ضیح الکلام ص: ۶۶۷ تا ۶۷۵ میں زیادۃ الثقہ پر جو کلام کیا ہے، وہ لائق مطالعہ ہے (۳) راوی کا حال قبول اور رد کا میزان ہوتا ہے۔ اگر زیادت کا راوی احفظ اور اوثق ہو، یعنی اس زیادت کو نہ بیان کرنے والے سے زیادہ ثقہ ہو تو اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں تعدیل کے مرتبے میں برابر ہوں تب بھی اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر زیادت کا راوی، زیادت نہ کرنے والوں سے ثقات میں کم ہو تو اس کی زیادت قابل اعتبار نہ ہوگی وہ بلاشبہ شاذ کے ذمرے میں آئے گی۔ یہ اس زیادت کا خلاصہ ہے جیسے محدثین مصطلح الحدیث میں شاذ اور منکر کے تحت بیان کیا ہے

فائدہ نمبر:۲

ضعیف روایت کثرت طرق کی وجہ سے اس وقت بھی حسن لغیرہ نہیں بنتی جب وہ اپنے س ءاولی (مضبوط) کے مخالف ہو مثلاً نماز میں رفع الیدین کرنے کی احادیث حد تواتر تک جا پہنچی ہیں جن میں صحیحین کی روایات بھی ہیں، جبکہ ترکِ رفع الیدین کی روایات اثبات رفع الیدین کی احادیث کے مقابلے میں انتہائی کمزور بلکہ ساقط الاعتبار ہیں،

تو حد تواتر پر پہنچنے والی اعلی درجے کی صحیح احادیث کے خلاف ضعیف اور ساقط الاعتبار روایات اپنے کثرت طرق کی بنا پر حسن لغیرہ قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

فائدہ نمبر:۳

شاذ، شاذ سے مل کر حسن لغیرہ نہیں بنتا۔ جب ایک روایت شاذ ہے اور اس کی سندیں بھی زیادہ ہیں تو وہ شاذ ہی رہے گی کثرت طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ نہیں بن سکتی،

امام ترمذی نے حسن کی تعریف میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو (العلل الکصیر للترمذی ص: ۸۹۸) محدث البانیؒ فرماتے ہیں یہ ثابت ہوگیا کہ شاذ اور منکر حدیث کی ان مردود اقسام میں سے ہیں، جو کسی شمار میں نہیں، اس لیے اسے بطور شاھد پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا

وجوداور عدم وجود دونوں برابر ہیں (صلاۃ الراوتح للأ لبانی ص:٦٦) حافظ محمد محدث گوندلویؒ لکھتے ہیں ''شاذ سے شاذ کو تقویت نہیں پہنچتی'' (خیر الکلام ص:۴۱۸) اسکی مثال اذا قرأ فانصتو ہے!

فائدہ نمبر:۴

حسن لغیرہ حدیث کی پانچ شرائط ہیں:

[۱] اس کی سند میں فہم بالکذب یا ایسا راوی نہ ہو جس کا اعتبار نہیں کیا جاتا [۲] ایک سے زائد اسی کی سندیں ہوں [۳] اپنے سے قوی (زیادہ مضبوط) کے مخالف نہ ہو [۴] متن حدیث کا معنی مختلف نہ ہو [۵] اختلاف مخارج ہو یعنی وہ سند حقیقت میں ایک راوی کے گرد نہ گھومتی ہو حسن لغیرہ کی حجت اور اس پر وارد اعتراضات جوابات کے لیے دیکھے (مقالات اثریہ از شیخ محقق جلیل اصولی محمد خبیب احمد حفظہ اللہ :۵۷،۱۹۵)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ کسی بھی کتب صحاح پر اعتماد نہیں :

صحیحین کے علاوہ جس نے بھی صحیح احادیث پر مشتمل کتب لکھنے کی کوشش کی ہے تو وہ تمام احادیث صحیح نہیں لا سکا بلکہ ضعیف اور موضوع روایات کو بھی صحیح میں درج کر دیا ہے مثلاً (۱) امام ضیاء مقدسی کی المختارہ، ابوغدہ حنفی اور تقی عثمانی دیوبندی نے اس بات کا بر ملا اعتراف کیا ہے کہ المختارہ کی تمام احادیث صحیح نہیں ہیں بلکہ اس میں ضعیف اور منکر روایات بھی ہیں (حاشیہ اعلاء السنن:۲/۱۰۳،۱۰۴)

حافظ ذھبی عبداللہ بن کثیر بن جعفر کے ترجمہ میں المختارہ سے ایک روایت نقل کی اور فرمایا معلوم نہیں یہ کون ہے، یہ حدیث باطل اور سند مظلم ہے عبداللہ بن کثیر سے روایت کرنے میں عبداللہ بن ایوب منفرد ہے، ضیاء الدین (مقدسی) اس نے کی المختارہ میں تخریج کر کے اچھا نہیں کیا (میزان:۲/۴۷۳) (۲) (۳) امام حاکم اور مستدرک حاکم ان دونوں کتابوں میں بھی صحیح کا اعتراض کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بے شمار ضعیف اور موضوع روایات کو بھی صحیح کہا گیا ہے

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کر کے اس کتاب کو عیب دار بنا دیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی مستدرک میں اس کی حدیث لا کر غلطی کی ہے (لسان المیزان:۲/۱۶۳) یہ تبصرہ حامد بن آدم سخت مجروح پر ہے

فضائل اعما ل میں ضعیف حدیث کو قبول کرنے کی شرائط:

بعض کہتے ہیں! فضائل اعمال میں ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے؟ وہ شرطیں درج ذیل ہیں

(۱) اس حدیث میں ضعف شدید نہ ہو، کذاب، متہم، بالکذب اور فحش الغلط کی روایت نہ ہو، اس شرط پر اتفاق ہے (۲) عام دلیل کے تحت درج ہو (۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے (القول البدیع فی فضل الصلاۃ علی الجبیب الشفیع:ص/۲۵۸) پہلی شرط پر حافظ علائی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے ابن عبدالسلام اور ابن دقیق سے مروی ہیں (ایضاً) (تدریب الراوی:۱/۲۹۸) آخری دو نوں شرطیں

(۴) عمل کرنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ حدیث ضعیف ہے (تبیین العجب بما ورد فی فضائل رجب لابن حجر:۷۲)

(۵) مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث میں بیان کردہ مسلہ شریعت میں ثابت ہو
(٦) یہ ضعیف حدیث صحیح حدث کی تفصیلات وتوضیحات وغیرہ پر مشتمل نہ ہو۔ (حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لابی اسیر اشرف بن سعید المصری:ص،۵۵)

تبصرہ:

ان شرائط پر مفصل بحث وتنقید شیخ غازی عزیر مبارک پوری حفظہ اللہ اپنی کتاب (ضعیف احادیث کی معرفت اوران کی شرعی حثیت :ص،۲٦۴/۳۱۵) میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ شرائط درست نہیں اوران پر کسی نے بھی عمل نہیں کیا

جب جرح و تعدیل میں تعارض آ جائے ؟

اگر کسی راوی کے متعلق تعارض آ جئے یعنی کچھ اس کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور کچھ ضعیف۔ تو ایسی صورت میں ائمہ جرح وتعدیل کے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے راوی پر راجح موقف اختیار کریں گے مثلاً ایک راوی کو صرف امام ابن معین، امام بخاری اور امام دارقطنی ثقہ کہیں لیکن امام ابن حبان حاکم وغیرہ ضعیف کہیں خواہ ضعیف ضعیف کہنے والے ان جیسے دس کیو نہ ہوں تو ان دس کی بات مرجوح ہوگی اور تین ائمہ جو جرح وتعدیل کے متفق ائمہ تھے ان کی بات مانی جائے گی خواہ وہ تین ہی ہوں۔ کیونکہ متساھل ائمہ سو مل کر بھی ان اعلی درج کے ائمہ میں سے تین کے برابر نہیں ہو سکتے۔

یادرہے کہ جمہوریت غلط ہے، خواہ الیکشن میں ہے یا تحقیق رواۃ میں، یہ اصول ہی باطل ہے کہ جس کو جمہور ثقہ کہیں وہ ثقہ ہے ۵ کے مقابلے میں ٦ زیادہ ہیں لہذا ٦ کی بات مانیں جائے گی یہ کوئی اصول نہیں ہے ایک ہے کہ حقیقت میں راوی ثقہ ہے اور اس کو اتفاقاً اکثر محدثین بھی ثقہ کہہ رہے ہیں اور بعض متاخرین اہل علم نے لکھا بھی ہو کہ ''وثقہ الجمہور'' تو اس سے یہ اصول وضع کر لینا کہ ہر جگہ جمہور کی بات مانی جائے گی، درست نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی ان شا اللہ

مجہول :

اگر راوی ثقہ سے صرف روایت کرنے والا ایک راوی ہے تو اسے مجھول العین کہتے ہیں اور اگر اس سے کم ازکم دو ثقہ روایت کریں اور اس کی کسی نے توثیق نہ کی ہو تو اسے مجھوالحال کہتے ہیں مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ ابن الجوی اگر کسی راوی پر حکم لگائیں تو اسے آنکھیں بند کر کے لینا نہیں چاہیے جب تک مکمل تحقیق نہ کر لی جائے، کیونکہ ابن جوزی راویوں پر حکم لگانے میں غفلت کے شکار ہوئے ہیں اوران کا یہ فن بھی نہیں تھا۔

فائدہ: ابن الجوزی تخریج وتحقیق میں کافی اوھام کا شکار ہوتے ہیں ان کی ضروری تفصیل محدث مصر امام ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب نحبۃ المرتاب کے مقدمہ (ص:۱۰،۱۴) میں بیان کی ہے فجز اہ اللہ خیرا

امام ابن جوزی کے کسی حکم راوی پر حکم لگانے میں اعتماد نہ کیا جائے۔ امام جوزیؒ اپنی کتاب میں راویوں پر جرح وتعدیل کے حوالے سے ان کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن وہ اس فن کے ماہر نہیں تھے اسی وجہ سے محدثین نے ان پر تنقید شدید کی ہے مثلاً حافظ ذھبی

لکھتے ہیں: میں نے حرقانی کے خط سے پڑھا ہے کہ ابن الجوزی اپنی تصانیف میں بہت زیادہ غلطیاں کنے والے تھے وہ کتاب لکھ کر فارغ ہو تے اوراس کرمقبرنہیں سمجھتے تھے (تذکرۃ الحفاظ:۱۳۴۷/۴)

حافظ ذھبی لکھتے ہیں ابان بن یزید العطار کوابن الجوزینے اپنی کتاب ضعفاء میں ذکرلیا ہے اوراس کی توثیق کرنے والوں کے اقوال ذکرہی نہیں کیےاور یہ بات اس کی کتاب کے

عیوب سے ہے کہ وہ جرح لکھ دیتے ہیں اورتوثیق سے خاموشی اخریار کر جاتے ہیں (میزان الاعتدال:۱۷/۱)

حافظ ذھبی ایک جگہ پر لکھتے ہیں کہ ابوحاتم نے طالوت بن عیادکوثقہ کہا ہےلیکن ابن جوزی نے بغیرکسی تحقیق کے کہہ دیا کہ ''ضعفہ علماءالنقل''اس کوعلامقل نے

ضعیف کہا ہے میں (ذھبی) کہتا ہوں نہ میں قیامت تک تلاش کرتا رہوں لیکن میں کسی ایسے محدث کونہیں پاوں گا جس نے اس کوضعیف کہا ہو(میزان الاعتدال:۳۳۴/۲)

حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں فمالہ فیہ ذوق المحدثین''ابن جوزی میں محدثین کا ذوق نہیں ہے (طبقات المغیرین:۱۷)احادیث کو پرکھنےاورراویوں پر جرح وتعدیل کا حکم لگانے میں (بحوالہ جنۃ المحرتاب لابی اسحاق الحوینی:ص،۱۱،۱۲)

مر ضی کے قوا ئد بنا نا درست نہیں !

بعض لوگ اپنے مذھب کی خاطر بعض غلط اور بے بنیادقوائد کا سہارا لیتے ہیں،حالانکہ انھیں قوائد پرعمل کرنا ہوگا جومحدثینؒ نے اپنا ئے،اس طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچا،کہ مرضی کے غلط اورشاذقوائد کو بنانے کی وجہ سے کتنی ہی ضعیف روایات کوصحیح قرار دیا گیا،اوراس کے برعکس بھی کہ کتنی ہی صحیح احادیث کوضعیف قرار دیا گیا،اس منہج کواپنانے میں انتہائی خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں جس کی ضروری تفصیل درج ہے

قائدہ نمبر:۱

بعض حنفیہ نے کہا،''التدلیس والارسال فی القرون الثلاثۃ لایضرنا''تدلیس اورارسال قرون ثلاثۃ میں ہمیں مضرنہیں (اعلاء السنن:۳۱۳/۱)

تبصرہ:

حالانکہ تابعین اورتبع تابعین کے دورمیں بےشمارراوی تدلیس کرتے تھے حالانکہ یہ اصول ہے کہ جوکثیرتدلیس کرنے والا راوی ہےاس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہے۔اسی طرح مرسل تابعی راجح قول کے مطابق جمہورمحدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے کیونکہ اسی میں تابعی رسول اللہﷺ سے براہ راست بیان کرتا ہےاورتابعی کے بعدرواۃ کا ہمیں علم نہیں کہ وہ کون ہیں اورکتنے ہین اس لیےضعیف ہوتی ہے

قائدہ نمبر:۲

بعض علماء احناف لکھتے ہیں ''والانقطاع لایضر نا'' ہمارے انقطاع نقصان کا باعث نہیں (.اعلاء السنن:۱/۲۰۴)

تبصرہ: یہ بات محدثین کے اصول کے خلاف ہے انقطاع کی وجہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے یہی محدثین کا اصول ہے

قائدہ نمبر:۳

بعض اہل علم نے کہا کہ ہر مدلس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہوتی ہے

تبصرہ: حالانکہ یہ بات بھی درست مہیں کیونکہ محدثین متقدمین سے لے کر اب تک کے تمام محدثین و محققین، سوائے شاذ (چند اہل علم) کے ،محدثین کثیر تدلیس راوی کی روایت عن سے مروی ہو تو اسے ضعیف کہتے ہیں لیکن اگر قلیل التدلیس ہے مثلاً زہری وغیرہ تو اس کی عن سے مروی روایت کو صحیح کہتے ہیں الا یہ کہ روایت مدلس ہو جس جگہ قلیل المتدکیس راوی کی تدلیس ثابت ہو جائے تو وہ راویت ضعیف ہوتی ہے

قائدہ نمبر:۴

بعض اہل علم نے کہا ''حسن لغیرہ حجت نہیں''

تبصرہ: یہ اصول بھی باطل ہے ائمہ متقدمین اور متاخرین سے یہ بات کثرت سے ثابت ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہوتی ہے اپنی شروط کے ساتھ کی تفصیل (مقالات اثریہ) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

قائدہ نمبر:۵

کذاب اور ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا!

تبصرہ: جو راوی اصول محدثین اور جرح و تعدیل کی روشنی میں ضعیف یا کذاب ثابت ہو جائے تو وہ ضعیف اور کذاب ہی ثابت کیا جائے گا ،یہی امانت علمی ہے افسوس کہ بعض اہل علم مرضی کے راوی کو ثقہ ہی ثابت کرتے ہیں خواہ وہ بالاتفاق کذاب یا ضعیف ہی ہو، مثلاً جابر الجعفی کذاب ہے، مگر بعض احنا فمطلب کی روایات میں ان ثقہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کرتے ہیں

قائدہ نمبر:۶

مختلف فیہ راوی کی روایت حسن درجے کی ہوتی ہے

تبصرہ: یہ قاعدہ بھی احناف استعمال کرتے ہیں اپنے فقہ کو تقویت دینے کے لیے حالانکہ یہ قاعدہ ثابت نہیں صحیح بات یہ ہے کہ مختلف فیہ راوی کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال دیکھ کر راجح فیصلہ کریں گے اگر وہ ضعیف ثابت ہوا تو ضعیف کا حکم لگایا جائے گا اور اگر وہ چقہ یا ضعیف ثابت ہوا تو اس کو ثقہ یا صدوق ثابت کیا جائے گا۔

کسی بھی امام کے سکوت سے حدیث کا اس کے نزدیک صحیح یا حسن ہو نا لا زم نہیں آتا ۔

بعض لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی ہے کہ اس حدیث پر فلاں امام نے سکوت اختیار کیا ہے گویا یہ حدیث صحیح ہے!!

امام ابو داود کا سکوت :

یہ اصول سرے سے غلط ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے احناف اس اصول کو بہانہ بنا کر صحیح باور کراتے ہیں!!

حالانکہ حافظ ابن حجر اس کے غلط ہونے پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ امام ابوداود نے حا حارث بن وجیہ، صدقہ دقیقی، عثمان بن واقد عمر ی، محمد بن عبدالرحمٰن البلیمانی، ابو جناب کلبی، سلیمان بن ارقم، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ وغیرہ جیسے متروک اور ضعیف راویوں کی توایات (پر سکوت کیا ہے) علاوہ ازیں اس میں منقطع، مدلسین اور مبہم راویوں کی روایات بھی ہیں اس پر مفصل بحث کرنے کے بعد بالآخر فرمایا ہے کہ ''فالصواب عدم الاعتماد علی مجرد سکوتہ لما وصفنا انہ یحتج بالأحادیث الضعیفۃ ویقدمھا علی القیاس'' درست یہ ہے کہ ان کے صرف سکوت پر اعتماد نہیں ہے اس لیے کہ ہم ذکر کہا کہ وہ ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور انھیں قیاس پر مقدم جانتے ہیں (النکت لابن حجر :۱/۴۴۳)

اس پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھیے ہمارے استاد محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب (اعلاء السنن فی المیزان:۵۲،۷۱)

امام نسائی کا سکوت :

امام نسائی کا سنن صغریٰ میں کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنا دلیل نہیں کہ امام نسائی کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے!!

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ''انہ غیر مسلم فانہ فیہ رجالاً مجھولین اماعینا أوحالاً وفیھم المجروح وفیہ أحادیث ضعیفۃ معللۃ ومنکرۃ'' یہ بات مسلم نہیں (کہ سنن نسائی کی احادیث سکوت پر مبنی صحیح ہیں) کیونکہ اس میں مجھول العین، مجھوالحال، مجروح راوی ہیں اور اس میں ضعیف معلول اور منکر احادیث ہیں۔(اختصار علوم الحدیث:۴۱)

حافظ ابن کثیر سے پہلے حافظ ابن الصلاح نے بھی سنن النسائی کے متعلق یہاں تک کہا ''ھذا عجیب اذ یروی ویقول متروک'' یہ عجیب بات ہے کہ اس کی روایت ذکر کرتے ہیں اس کے باوجود اسے متروک کہتے ہیں (میزان:۳/۵۹۸)

ثابت ہوا کہ کئی ایسے راوی بھی ہیں جن کو خود امام نسائی نے متروک اور ضعیف بھی کہا لیکن ان کی روایات پر سکوت بھی کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی کا کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا مزید تفصیل کے لیے (اعلاء السنن فی المیزان:ص،۷۱۔۷۴)

اگر امام ابن حبان کے ساتھ کوئی اور بھی توثیق کر دے تو ؟

وہ راوی ثقہ قرار پائے گا خواہ اس راوی کو امام ابن حبان کی توثیق کے ساتھ حافظ ذھبی یا حافظ ابن حجر ہی ثقہ کہہ دیں تو وہ راوی وا قعتہ ثقہ شمار ہوگا کیونکہ اب امام ابن حبان اکیلے توثیق کرنے نہ رہے بلکہ دو ہو گے ہیں

جس راوی امام ابن حبان اکیلے ثقہ کہیں ؟

تو ان کی توثیق نہیں تسلیم کی جاتی، کیونکہ یہ متساھل تھے بغیر کسی دلیل کے مجھول راویوں کو بھی ثقہ کہ دیتے ہیں

۳۵۶:امام بخاری اور التاریخ الکبیر :

امام بخاریؒ کا تاریخ کبر میں اپنا خاص منہج ہے جس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ التاریخ الکبیر پڑھتے وقت کسی غلط فہمی کا شکار نہ

ہوں۔

(۱) علامہ معلمی یمانیؒ فرماتے ہیں، امام بخاریؒ کا التاریخ الکبیر میں کسی حدیث کا بیان کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ امام صاحب التاریخ میں حدیث اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کے راوی (صاحب الترجمۃ) کی کمزوری پر دلالت کرے ۔(تعلیق الفوائد المجموعۃ للمعلمی :ص،۱۸۰ تحت ح ۶۱)

()فيه نظر:

جس راوی کے متعلق امام بخاری فیہ نظر کہیں اس سے مراد ہے کہ وہ راوی پر جرح کر رہے ہیں بعض دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی ''فیہ نظر'' لکھ دیتے ہیں تو اس سے مراد صحابی پر جرح نہیں بلکہ اس سے مروی روایت پر جرح مقصود ہے: نیز دیکھیں (حاشیہ الرفع والتکمیل :ص،۳۹۲)

منكر الحديث:

امام بخاریؒ کا " التاریخ الکبیر " میں کسی راوی پر سکوت:

امام بخاریؒ اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں جس راوی پر خاموشی اختیار کریں اس پر بحث وتحقیق دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی سے کریں گے نہ امام بخاریؒ کے خاموش رہنے کی وجہ سے اس راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پر استدلال کیا جائے جس طرح فرق باطلہ کرتے ہیں بعض فرق کہتے ہیں کہ راوی ہی اس قدر جلیل القدر تھا کہ اس کے مقام کی وجہ سے اس پر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، کسی نے کہا کہ جس پر امام بخاریؒ خاموشی اختیار کریں وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے وغیرہ یہ باتیں باطل ومردود ہیں

شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ راشدیؒ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس اصول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاریؒ نے تاریخ میں متعدد ایسے راویوں سے سکوت کیا ہے جن پر انھوں نے اپنی دوسری کتابوں میں جرح کی ہے مثلاً تاریخ میں انھوں نے حسب ذیل افراد کا ذکر کیا ہے، ''الحارث بن نعمان اللیثی ،

اصلت بن مہران التیمی ،الکوفی ابو ہاشم ،عبداللہ بن معاویہ، الزبیر بن عوام الاسدی البصری ،عبداللہ بن محمد بن عجلان مولی فاطمۃ بنت عتبۃ القرشی ،عبدالرحمٰن ب زیادہ بن انعم الفریقی

،عبدالوھاب بن عطاء الخفاف ،عمران العمی ، عاصم بن عبیداللہا لعمری ،معاویہ بن عبدالکریمہ الثقفی ،ابو عبدالرحمٰن بصری ،مختار بن نافع ابو اسحاق التیمی ،نصر بن حماد بن عجلان ، یحیی بن ابی سلیما المدنی ، یحیی بن محمد الجاری ،ان کے بارے میں انھوں نے کوئی کلام نہیں کیا نہ جرح کی ،مگر ان کو الضعفاء میں ذکر کیا اوران جرح کی'' (نقض قواعد علوم الحدیث :۲۱۴)

اس بحث پر مفصل رسالہ (رواۃ الحدیث الذین سکت علیہم ائمۃ الجرح وتعدیل بین التوثیق والتجھیل ۔از شیخ عداب محمود) ہے تفصیل کا طالب اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

امام ترمذیؒ کی تصیح یاتحسین حدیث کا اعتبار نہیں ۔

کیوں نکہ امام ترمذی متساھل تھے اور بلاوجہ حدیث صحیح یا حسن کہہ دیتے تھے مثلاً ایک روات جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات ایک قبر میں داخل ہوئے، چراغ لوجلایا گیا تو میت کو قبلہ کی طرف سے لے کر قبر میں اتارا گیا (سنن الترمذی: ۱۰۵۷ اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زیلی حنفی لکھتے ہیں "اس کو حسن کہنے پر امام ترمذی کا انکار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حجاج بن اُرطاۃ مدلس ہے اور ابن قطان نے کہا ہے اس میں منہال بن خلیفہ ہے جس کے متعلق امام ابن معینؒ نے ضعیف اور امام بخاریؒ نے فیہ نظر کہا ہے (نصب الرایہ ۲/۳۰۰:)

حافظ ذھبیؒ فرماتے ہیں تین راویوں کے ضعیف ہونے کے باوجود اس روایت کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، لہذا ترمذی کی تحسین سے دھوکا نہ کھاؤ تحقیق پر ان کی غالب حسن، ضعیف ہیں (میزین الاعتدال: ۴/۴۱۶)

حافظ ذھبی ایک راوی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیف بن محمد الثوری کذاب ہے تعجب ہے کہ ترمذیؒ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں :(الکاشف: ۱/۳۶۸) بلکہ یہاں تک کہ ایک راوی خود ایک جگہ ضعیف کہہ رہے اور دوسری جگہ اس ضعیف راوی کی روایت کو خود حسن بھی کہہ دیتے ہیں مثلاً ایک روایت (۳۲۹۴) کو حسن غریب کہا پھر خود ہی (۲۵۴۸، ۲۹۳۰) میں کہا کہ اس میں رشدین ضعیف راوی ہے

فائدہ: دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ "الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ" کی جلد ثالث میں امام ترمذی کی تحسین پر نقد ہے

۵۹۹: حافظ ذکریا انصاری م علامہ عبدالروف مناوی، علامہ زرقانی، علامہ حسین مقربی، امیر صنعائی، قاضی شوکانی، محدث شمس الحق عظیم آبادی، محدث شرف الحق عظیم آبادی، علامہ جمال الدین قاسمی، علامہ طاہر الجزائری، محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری، محدث مصر، احمد شاکر، محدث عیداللہ رحمانی، محدث العصر البانی، محدث یمن مقبل بن ھادی، محمد بن صالح الشیمنی، محدث ابواسحاق الحوینی، محدث الاستاذ ارشاد الحق اثری، دکتور وصی اللہ بن محمد عباس عنیرہ ان تمام ائمہ محدثین اور محققین کے بادلائل اقوال کے لیے "مقالات اثریہ" کا مطالعہ ضروری ہے اس معلوم ہوا کہ حسن لغیرہ کا حجت ہونا محدثین، محققین، شارحین، متقدمین ومتاخرین سے ثابت ہے اس کی خلاف ورزی کرنا درست نہیں ہے

فائدہ: باطل روایت کی خواہ جتنی بھی سندیں ہوں وہ باطل ہی رہے گی حسن لغیرہ نہیں بن سکتی اس کی مثال قصہ غرانیق ہے اس روایت کو محدثین ومحققین نے باطل کہا ہے مثلاً امام الائمہ امام ابن خزیمہ نے کہا زنادقہ (مجوسیوں اور پارسیوں) کا گھڑا ہوا قصہ ہے (مفاتیح الغیب للرازی: ۲۳/۵۰) علامہ ابوبکر ابن العربی نے دس اسباب کی بنا پر اسے باطل قرار دیا ہے (حکام القرآن: ۳/۲۴۷، ۵۷) علامہ رازیؒ نے ائمہ فن سے اس کا باطل اور من گھڑت ہونا نقل کیا ہے (تفسیر الرازی: ۲۳، ۵۰) جو بات باطل اور من گھڑت ہو وہ حسن لغیرہ نہیں بن سکتا فافہم

۶۰۹: ہے اور بہت سی ضعیف روایات کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا فلاں نے روایت کی ہے اور یہ صورب سے ہٹکر جانا ہے (مقدمۃ المجموع: ۱/۶۳، القول المقبول: ۴۰)

رواۃ محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا !

تخریج کے دوران راویون اور محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا بہت ضروری ہے اس سے بہت سے مسائل حل ہوجاتے ہیں بعض رواۃ کی تاریخ وفات حسب ذیل ہیں،

سعید بن المسیب :۹۴،ھ۔الشعبی :۱۰۳۔ابن سیرین :۱۱۰۔حسن بصری :۱۱۰۔ھمام بن منبہ :۱۳۲۔ابوحنیفہ :۱۵۰۔معمر :۱۵۴۔اوزاعی :۱۵۷۔شعبہ :۱۶۰۔ثوری ۱۶۱۔ابن طھمان ۱۶۳۔لیث بن سعد ۱۷۵۔مالک ۱۷۹۔ابن المبارک :۱۸۱۔ھیثم ۱۸۳۔ابو یوسف :۱۸۳۔علی بن زیاد :۱۸۳،معافی بن عمران المرصی ۳۶۰

کیونکہ غیر ثابت چیز کی رسول اللہ کی طرف نسبت کرنا ہی درست نہیں ہے دین اسلام مکمل ہے ذرہ بھی نقص نہیں ہے تو فضائل میں غیر ثابت چیز کو دین میں داخل کرنا مشعر ہے کہ دین میں یہ فضائل کی کمی تھی معاذ اللہ

محدث العصر امام محب اللہ شاہ رشدیؒ لکھتے ہیں'' میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے ضعیف حدیث کے فضائل اعمالمیں قبولیت کی جو شرائط تحریر فرماتے ہیں وہ بھی دراصل ضعیف سے روکنا ہی مقصود ہے میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ضعیف حدیث کی مقبولیت کے متعلق براہ راست اس لیے اظہار کی جرات نہیں فرمائی کہ چند بڑے بڑے فضلاء علماء مثلاً امام احمد جیسے بزرگوں نے بھی ایسی ضعیف حدیث جو موضوع ،مضطرب ،اور منکر نہ ہو اس پر عمل میں کچھ تساھل اختیار کیا ہے لیکن حافظ وغیرہ کی صحیح حکمت عملی نے ایسی شروط فرما دئے جو نہ تو ان کا پوری طرح سے ایفاء ہی ہوسکتا ہے اور نہ ہی وہ قابل عمل بن سکتی ہیں فجزاہ اللہ خیرا (ضعیف احادیث کی معروف اوران کی شرعی حثیت :ص،۲۷۴)

شیخ محترم ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتب سے علوم بحوث کی قیمیتی بحوث کی فہرست

علوم حدیث و فن جرح و تعدیل پر اھم کتب لشیخنا المحدث ارشادالحق اثری حفظہ اللہ

ہمارے استاد محترم محدث ارشادالحق اثری حفظہ اللہ کی یہ ساری کتاب علوم حدیث اور قواعد جرح وتعدیل سے بھری ہے،اس کی اہم بحوث کی فہرست پیش خدمت ہے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہوسکے۔اس ساری کتاب کو راقم علوم حدیث کی کتاب کہتا ہے۔اس کی علوم حدیث سے متعلق بحوث کی فہرست درج ذیل ہے۔باذوق طالب علم شیخ محترم کی کتب میں سے توضیح الکلام ،اعلاء السنن فی المیزان ،مقالات جلد ۱،۲،اسباب اختلاف الفقہاء ،تنقیح الکلام ،اسلام اور موسیقی ،مشاجرات صحابہ ،مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی ،امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ ،احادیث بخاری ومسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ ،آئینہ ان کو دکھایا تو برامان گئے ،مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں ،احادیث ھدایہ فنی وتحقیقی حیثیت ،کتابت حدیث تاعھد تابعین ،موضوع حدیث اور اس کے مراجع ،الناسخ والمنسوخ ،عدالت صحابہ ،امام دارقطنی ،صحائے ستہ اوران کے مولفین ،وغیرہ

اعلاء السنن فی المیزان :

مسند امام احمدؒ کی روایات مقبول ہیں؟ص:۳۵۔

مسند ابی عوانہ کی حادیث:۳۹

امام ترمذیؒ کی تحسین:۴۳

حدیث سے مجتہد کا استدلال:۴۸

امام ابوداودؒ کا سکوت:۵۲

ایک عجیب غفلت:۶۲

دلچسپ تضاد:۶۷

امام نسائیؒ کا سکوت:۷۱

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ کا سکوت:۷۴

التلخیص میں حافظ کا سکوت:۸۱

الدرایہ اور سکوت ابن حجر:۸۷

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ کا سکوت:۸۹

علامہ عراقیؒ کا سکوت، عجیب تضاد فکری:۹۵

امام ابوحنیفہؒ کے سب شیوخ ثقہ ہیں؟:۹۶

امام صاحب کے چند اساتذہ:۹۸

ابان بن ابی عیاش:۹۸

نصر بن طریف:۱۰۶

جراح بن منہال:۱۰۸

محمد بن سائب کلبی:۱۰۷

محمد بن زبیر بصری:۱۰۹

طریف بن شہاب:۱۰۹

عمرو بن عبید ایک اور استاد:۱۱۷

قاضی ابو یوسفؒ کے اساتذہ:۱۲۵

امام محمد شیبانیؒ کے اساتذہ اوران کا استدلال:۱۲۸

امام شعبہؒ کے شیوخ:۱۳۷

امام سفیان ثوریؒ کے شیوخ:۱۴۱

امام طحاویؒ کا استدلال:۱۴۲

علامہ المنذریؒ عن سے روایت کریں تو وہ حسن ہوگی؟۱۴۹

الترغیب میں عن سے۔ دوسرا مقام:۱۵۸

الترغیب میں عن کی تیسری مثال:۱٦۸

چوتھی مثال:۱٦۹

امام ابن حزمؒ کا استدلال:۱۷۰

علامہ ہیثمیؒ کا سکوت:۱۸۴

علامہ سیوطیؒ کی تحسین:۱۹۲

احادیث المختارۃ:۱۹۵

کنز العمال میں سکوت:۲۰۸

مختلف فیہ حدیث اور راوی:۲۳۴

مختلف فیہ کی دوسری مثال:۲۴۳

تیسری مثال:۲۴۴

چوتھی مثال:۲۴۵

پانچویں مثال:۲۴٦

مختلف فیہ کی چھٹی مثال:۲٦۱

ساتویں مثال:۲٦۳

آٹھویں مثال:۲۷۵

نویں امثال ۲۷۵

مدلس بھی مختلف فیہ ہے:۲۸۳

مختلف فیہ کی ایک اور مثال:۲۸٦

مختلف فیہ کا اصول اور امام زہریؒ کی مراسیل:۲۸۸

امام ابن حبانؒ کی توثیق کا حکم:۲۹۵

امام ابن حبانؒ اور امام ابوحنیفہؒ:۲۹۷

ثقہ کی زیادت:۳۰۶
مستور راوی کی حدیث مقبول:۳۱۰
خیر القرون کے مستور و مجہول راوی اور امام ابوحنیفہؒ:۳۱۴
تدلیس وارسال عیب نہیں:۳۱۵
الولید بن مسلمؒ:۳۱۸
ضعیف، متروک اور کذاب راویوں کا دفاع:۳۱۹
جابر بن یزید الجعفی:۳۱۹
حجاج بن ارطاۃؒ:۳۲۳
محمد بن عبید اللہ العرزمی:۳۲۵
سلیمان بن داود شاذکونی:۳۳۰
نضر بن عبدالرحمٰن الخزاز:۳۳۴
خارجہ بن مصعب:۳۳۷
حمید بن ابی جون اور موضوع روایت:۳۳۹
محمد بن حمید الرازی:۳۴۰
عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی:۳۴۲
نوح بن ابی مریم:۳۴۶
لیث بن ابی سلیمؒ:۳۵۰
بقیہ بن ولیدؒ:۳۲۵
حسن بن زیاد اللؤلؤی:۳۵۴
ابواسحاق السبیعیؒ:۳۵۸
ایک لطیفہ:۳۵۹
سلیمان بن عمرو الجعفی:۳۶۱
محمد بن شجاع الثلجی:۳۶۴
محمد بن اسحاق امام المغازیؒ:۳۶۶
مروان بن سالم:۳۶۹

چند اصولی مباحث: ۳۷۰

ا۔ثقہ مخلط سے روایت نہیں کرتا: ۳۷۰

۲:۔علی یدی عدل کا مفہوم: ۳۷۱

۳۔مستور راوی یا مجہول: ۳۷۴

مجہول کو مستور بنا کے کام نکال لیا: ۳۷۴

۴۔مقبول کی اصلاح: ۳۷۵

بعض دیگر مباحث: ۳۷۶

بعض کتابوں کا غلط انتساب: ۳۹۴

ضعیف سے استدلال کا مفہوم: ۳۹۹

بے اصل روایت کا سہارا: ۴۰۲

ربما وھم کا مفہوم: ۴۰۴

اسناد صحیح'' کی حقیقت: ۴۰۷

راوی کی تعیین میں سہو ۴۰۸

وجوب کا اطلاق: ۴۱۲

موضوع حدیث کا دفاع: ۴۱۵

مسلک کی تائید اور بے سند روایت: ۴۱۹

مقالات شیخنا المحدث ارشاد الحق اثری حفظه الله جلد ۲ سے علوم حدیث کی فهرست:

ضعیف حدیث کا فائدہ، ص: ۴۱

صحیحین میں مدلسین کی روایت اور حدیث مسنۃ، ص: ۲۷۴

علامہ ذھبی رحمہ اللہ اور مسلم میں مدلس کی معنعن روایت، ص: ۲۷۷

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور ضعیف حدیث، ص: ۲۲۵

سلیمان بن الحسن العطار کی حدیث ضعیف نہیں حسن ہے، ص: ۲۶۵

دوسرے اعتراض کا جائزہ کہ فضیل النمیر ی ضعیف ہے۔ص: ۲۶۹

کیا وضو کے بعد شرم گاہ پر چھینٹے لگانے کی حدیث ضعیف ہے؟ ص: ۲۵۴

عباد بن کثیر الرملی اور الثقفی میں اشتباہ،ص:۱۷۳

میزان الاعتدال میں ایک غلطی،ص:۱٦٦

ارواء الغلیل میں غلطی،ص:۱٦۲

تخریج احادیث کشف المحجوب پر تبصرہ،ص:۱۲۱

کسی سنت کا ترک نفی کی دلیل نہیں،ص:۱۰۹

مسند امام زید کی استنادی حیثیت،ص:۷۴

حافظ ابن حجر کا سکوت،ص:۳۸

کیا سفر میں پوری نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ص:۱۴

مقالا ت شیخنا المحدث ارشاد الحق اثری حفظه الله ـ جلد ۱ سے علوم حدیث کی فهرست:

کیا ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے؟ص:۹۸

تعامل سلف کی حثیت ـ ص:۱۰٦

کیا صحیحین کی روایت مقدم ہے؟۱۰٦

فقہاء کے مابین اختلاف کی نوعیت ـ ص:۱۱۰

صحیح مسلم کی حدیث اور علامہ کوثری ـ ص:۲۰۵

علامہ ابن حزم اور اہلحدیث ـ ص:۲۱۸

موضوع روایات سے استدلال ـ ص:۲۴۳

اصول فقہ حنفی کی ایک روایت پر بحث ـ ص:۲۳۸

کیا صرف ایک صحابی سے مروی روایت قابل اعتبار نہیں ـ ص:۲۳۸

ذھول اور نسیا قادح صحت نہیں ـ ص:۲۳۹

تحت السرۃ کی حیثیت ـ ص:۲۸۵

واقعہ معراج سے متعلق ایک روایت کی حیثیت ـ ص:۲۹٦

عُلَماءُ اُمتِی کَا نبِیاَ ءِ بَنِی اِسرا ئیلَ ـ ص :۲۹٦

(مؤسّسة الحسینوی الخیریّة)

کے اغراض ومقاصد۔

۱: منہج محدثین پر بہترین ماہر افراد تیار کرنا۔

۲: جدید منہج اور جدید تقاضوں کے عین مطابق انٹرنیشنل لیول کے دینی ادارے قائم کرنا۔

۳: قیمتی کتب اور لٹریچر شایع کرنا۔

۴: مستحق اہل علم سے تعاون کرنا۔

۵: یتیم اور غریب بچوں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی کرنا۔

۶: انٹرنیٹ پر موثر انداز سے انسانیت کی رہنمائی کرنا۔

۷: مختلف علاقوں میں علمی حلقے قائم کرنا۔

رابطہ:

اکاؤنٹ muhammad ibrahim,10667900380103,hbl ,kasur

0092.302.4056187

سکائیپ: ibrahim.alhusainwy

فیس بک: ibnebashir alhusainwyi

ای میل: ialhusainwy@gmail.com

ویب altahqeeqat.blogspot.com

خادم دین :

ابن بشیر الحسینوی الاثری

رئیس

مؤسسة الحسینوی الخیریة (قصور)